قرآن وانبیاء

(سوالات وجوابات)

جوابات از

علمائے قم ونجف

مرتبہ

مجاہد حسین حرّ

ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ ہیں۔

نام کتاب .... قرآن وانبیاء (سوالات وجوابات)

جوابات از .... علمائے قم ونجف

مرتبہ .... مجاہد حسین حرؔ

پروف ریڈنگ .... خانم شازیہ غضنفر

کمپوزنگ .... قائم گرافکس۔ جامعہ علمیہ۔ ڈیفنس فیز ۴

ناشر .... مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور

ہدیہ ....

ملنے کا پتہ

معراج کمپنی

بیسمنٹ میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار۔ لاہور

03214971214،04237361214

محمد علی بک ایجنسی اسلام آباد

03335234311

عرض ناشر

مصباح القرآن ٹرسٹ محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کی ان صدقاتِ جاریہ میں سے ہے جس سے لوگ تا قیامت استفادہ کرتے رہیں گے اور موصوف کے درجات عالیہ میں اضافہ ہوتا رہے گا۔ مصباح القرآن ٹرسٹ نے تراجم وتفاسیر قرآن سے کام شروع کیا اور پھر ہر وہ کتاب جس کی ملت کو ضرورت تھی شائع کی انشاء اللہ العزیز شائع کی جاتی رہے گی۔

موجودہ کتاب "قرآن وانبیاء" قرآنی معرفت کا ایک سلسلہ ہے۔ قرآن مجید سے شغف رکھنے والوں کے لئے یہ کتاب ایک مفید تحفہ ہوگی۔ ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب انشاء اللہ آپ کو پسند آئے گی۔

یاد رہے کہ مصباح القرآن نے اپنی تمام کتابیں آپ کے استفادہ کے لئے انٹرنیٹ پر دے دی ہیں۔ ایڈریس ہے:

www.misbahulqurantrust.com

قارئین کرام سے التماس ہے کہ اگر وہ اس کتاب میں کہیں خامی دیکھیں یا کمی محسوس کریں تو ہمیں مطلع ضرور فرمائیں ہم آپ کے شکر گزار ہوں گے۔ ادارہ کے ترقی اور اس کے بانی محسن ملت سید صفدر حسین نجفی اعلی اللہ مقامہ کے درجات کی بلندی کے لئے دعا کے طالب ہیں۔

ادارہ

مصباح القرآن ٹرسٹ لاہور پاکستان

فہرست کتاب

دانیال پیغمبرؑ کون تھے؟ وہ کس زمانہ میں تھے اور ان کے والدین کون تھے؟ اور وہ کیوں مشہور ہیں؟ 7

باوجودیکہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت زندہ ہیں، قرآن مجید نے ان کے بارے میں کیوں ''متوفیک'' کی تعبیر سے استفادہ کیا ہے؟ 9

قرآن مجید میں حوادث کے جزئیات کیوں ذکر ہوئے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داستان کی نسبت حضرت موسیٰؑ کی داستان کی طرف کیوں زیادہ توجہ دی گئی ہے؟ 14

کیا شداد کی بہشت کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی مطلب بیان کیا گیا ہے؟ 26

بنی اسرائیل کے سروں پر کوہ طور کو لٹکانے کے کیا معنی ہیں؟ 28

نا قابل رویت خدا، جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن بھی دیکھا نہ جائے گا، بنی اسرائیل کے لئے کیسے قابل رویت ہوتا ہے اور جسمیت پیدا کرتا ہے؟ 33

کیا قرآن مجید اور روایات میں حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں کچھ مطالب بیان کیے گئے ہیں؟ 36

کیا قرآن مجید کی بعض آیات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم عصمت کی دلیل پیش کرتی ہیں؟ 48

کیا سورہ توبہ کی ۴۳ ویں آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے؟ 53

فتنہ دجال کی حقیقت کیا ہے؟ 58

دانیال پیغمبرؑ کون تھے؟ وہ کس زمانہ میں تھے اوران کے والدین کون تھے؟ اور وہ کیوں مشہور ہیں؟

مختصرجواب:

دانیال نبی، ان پیغمبروں میں سے ہیں، جن کے نام کا اشارہ قرآن مجید میں ہوا ہے،لیکن ان کے بارے میں متعدد روایتیں ملتی ہیں[1]۔

اکثر روایات کے مطابق، دانیال نبی، بابل کے بخت النصر نامی ایک ظالم بادشاہ کے زمانہ میں زندگی گزارتے تھے اوراس بادشاہ کی طرف سے حضرت دانیال نبیؑ کواذیت و تکلیف پہنچائی جاتی تھی۔ جیسا کہ بعض تاریخی کتابوں میں آیا ہے کہ بخت النصرکو ایران کے بادشاہ کورش نے شکشت دی اوراس کی حکومت کوسرنگوں کیا۔ ایک تفسیر میں آیا ہے کہ: جن مشہورترین شہروں کوکورش نے فتح کیا، ان میں بابل بھی شامل تھا، جو ۵۳۸ قبل مسیح میں فتح کیا گیا ہے اوراس کے بعد یہود کی طرف رجوع کرنے کا حکم کیا گیا، جبکہ ستر سال تک بابل اسیری میں تھا اورسرکاری خزانہ سے کافی مال اس کی تعمیرنو کے لئے بخشا گیا اورحضرت دانیالؑ اس وقت کورش کے دربارمیں تھے[2]۔

مذکورہ مطالب کے پیش نظر، کہا جا سکتا ہے کہ حضرت دانیالؑ نبی تقریباً ۲۵۰۰ سے ۲۶۰۰ قبل مسیح میں زندگی گزارتے تھے۔ البتہ اس سلسلہ میں اوربھی تاریخی روایتیں ملتی ہیں،

جن کے مطابق ان کی زندگی کا زمانہ حضرت یحییٰؑ کے بعد تھا، یعنی تقریباً ۲۰۰۰ سال قبل مسیح بیان کیا گیا ہے، کہ حضرت نوحؑ جیسے انبیاؑ کی طولانی عمر کے پیش نظر، ممکن ہے کہ حضرت دانیال نبیؑ نے بھی لمبی عمر یعنی کئی سو سال کی عمر پائی ہو اور اس لحاظ سے اشارہ کی گئی دونوں روایتیں صحیح ہوسکتی ہیں [3]۔

حضرت دانیال نبیؑ کے والدین کے بارے میں قابل ذکر بات ہے کہ، بہت سے دوسرے انبیاء اور تاریخی شخصیتوں کے مانند، مورخین کے لئے یہ موضوع زیادہ اہم نہ تھا جس کی وجہ سے، اس سلسلہ میں کوئی خاص نظریہ پیش نہیں کیا جا سکتا ہے، لیکن یہ مسلم بات ہے کہ حضرت دانیالؑ بنی اسرائیل کے انبیاء اور حضرت یعقوبؑ کی ذریت میں سے ہیں۔

بہرحال، اگرچہ اس پیغمبر الٰہی کو دوسرے انبیائے الٰہی، جیسے حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے مانند شہرت حاصل نہیں ہے، لیکن مملکت ایران میں ان کے مشہور ہونے کی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ ان کا مرقد ایران کے ایک شہر میں ہے، جو ان سے ہی منسوب شوش دانیال کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت دانیال نبیؑ کی شہرت کی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ بنی اسرائیل کی قوم کو ان کے ہی زمانہ میں فتحیابیوں اور ناکامیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے، ان واقعات کی تفصیلات تفسیر اور روایتوں کی کتابوں میں درج ہیں [4]۔

حواشی:

[1] ملاحظہ ہو: مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج 14، ص 351، مؤسسۃ الوفاء، بیروت، 1404ھ.

[2] بلاغی، سید عبدالحجۃ، حجۃ التفاسیر و بلاغ الاکسیر، ج 1، ص 204، انتشارات حکمت، قم، 1386ق، بہ نقل از کتاب دانیال 6:28.

[3] مجلسی، محمد باقر، بحار الأنوار، ج 14، ص 355.

[4] مثال کے طور پر ملاحظہ ہو: جزائری، سید نعمت اللہ، قصص الانبیاء، ص 426، کتابخانہ آیت اللہ مرعشی، قم، 1404ھ.

باوجودیکہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت زندہ ہیں، قرآن مجید نے ان کے بارے میں کیوں "متوفیک" کی تعبیر سے استفادہ کیا ہے؟

سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ کہتی ہے: اور جب خدا نے فرمایا کہ عیسیٰ ہم تمہاری مدت قیام دنیا پوری کرنے والے اور تمھیں اپنی طرف اٹھا لینے والے اور تمھں کفار کی خباثث سے نجات دلانے والے اور تمہاری پیروی کرنے والوں کو انکار کرنے والوں پر قیامت تک کی برتری دینے والے ہیں۔ اس کے بعد تم سب کی بازگشت ہماری طرف ہوگی۔۔۔ اس آیہ شریفہ کے مطابق حضرت عیسیٰؑ فوت ہوئے ہیں، کیا مرنے کے علاوہ بھی قبض روح کے دوسرے معنی ہوسکتے ہیں؟ آپ جو کہتے ہیں کہ عیسیٰؑ نہیں مرے ہیں اور خدا کے پاس ہیں، اس آیہ کی کیسے توجیہ کرتے ہیں؟

مختصر جواب

اس سوال کو پیش کرنے کا سبب، اس آیہ شریفہ کے بعض غلط ترجمے ہیں۔ اس بنا پر اگر اس آیہ شریفہ کے صحیح معنی کئے جائیں، تو اس کا شبہ دور ہوگا۔ اس سلسلہ میں کہنا چاہئے کہ قرآن مجید کی مختلف آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ اگر چہ لفظ توفی قرآن مجید کی بعض

آیات میں موت کے معنی میں بھی آیا ہے، لیکن دوسرے مواقع پر اس لفظ کے دوسرے معنی بھی کئے گئے ہیں۔ اس لئے اس آیہ شریفہ کو حضرت عیسیٰؑ کی موت کی قطعی دلیل نہیں جانا جاسکتا ہے اور اس کے خلاف روایتوں کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس آیت کے صحیح معنی یہ ہو سکتے ہیں: اس وقت کو یاد کرو جب خداوند متعال نے عیسیٰ سے فرمایا: میں تجھے اٹھا لیتا ہوں اور اپنی طرف اوپر لے جاتا ہوں۔

توفی کے یہ معنی، جن کی معصومینؑ کی روایتوں کے ذریعہ بھی تائید کی گئ ہے، حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ہونے کے ساتھ کسی قسم کی منافات نہیں رکھتے ہیں۔

تفصیلی جوابات

اس سوال کو پیش کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن مجید کے مترجمین کی ایک معدود تعداد نے اس آیہ شریفہ کے لفظ متوفیک کے معنی مرنا کئے ہیں، اس کے علاوہ اکثر مترجمین نے اس کا ایسا ترجمہ کیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ہونے سے کسی قسم کی منافات نہیں رکھتے ہیں، من جملہ یہ ترجمہ: (اس وقت کو یاد کرو) جب خداوند متعال نے فرمایا: اے عیسی؛ میں تجھے (زمین اور لوگوں سے) اٹھا لیتا ہوں اور اپنی طرف اوپر لے جاتا ہوں اور کافروں کے آلودہ اجتماع میں رہنے سے پاک کرتا ہوں۔[1]

جاننا چاہئے کہ توفی مادہ وفی سے ہے اور اس کا متعدد معنی میں استفادہ کیا جاتا ہے، من جملہ مرنے، لینے اور مکمل کرنے۔۔۔ وغیرہ۔[2] اس سلسلہ میں عہد و پیمان پر عمل کرنے کو بھی وفا کہا جاتا ہے کہ اس کے معنی مکمل کرنے اور انجام دینے کے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر کوئی کسی سے اپنا قرضہ مکمل طور پر واپس لے لے تو عربی زبان میں توفی دینہ کہتے ہیں۔

مجمع البحرین لغت کی ایک اہم کتاب ہے، اس میں اس آیہ شریفہ کی یوں وضاحت کی گئ ہے: أي مستوف أجلك، و معناه إني عاصمك من أن تصلبك الكفار و

مؤخرك إلی أجل أكتبه لك و مميتك حتف أنفك لا قتلا بأيديهم و رافعك إلی سمائی. یعنی (اے عیسی) تیری اجل سے استفادہ کرتا ہوں، اس کے معنی یہ ہیں کہ تجھے کافروں کے گزند سے محفوظ رکھتا ہوں تا کہ وہ تجھے سولی پر نہ چڑھا سکیں اور میں تیری فطری موت، جو تیرے لئے لکھی گئی ہے، کو تاخیر میں ڈالتا ہوں [3]

اس بنا پر لفظ توفی اگر چہ موت کے معنی میں بھی استعمال ہوسکتا ہے، کیونکہ بعض آیات میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے،[4] لیکن ضروری نہیں ہے کہ صرف اسی معنی میں استعمال ہو جائے، بلکہ ایسی آیات بھی پائی جاتی ہیں جو اس لفظ کے دوسرے معنی پیش کرتی ہیں، من جملہ یہ آیہ شریفہ: وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾؛[5] اور وہی خدا ہے جو تمہیں رات میں گویا کہ ایک طرح کی موت دے دیتا ہے اور دن میں تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے اور پھر دن میں تمہیں اٹھا دیتا ہے تا کہ مقررہ مدت حیات پوری کی جاسکے۔ اس کے بعد تم سب کی بازگشت اس کی بارگاہ میں ہے اور پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کے بارے میں باخبر کرے گا۔

بیشک اس آیہ شریفہ میں یتوفیکم کے معنی موت نہیں ہیں بلکہ رات کی نیند ہے جس کی ہر شب و روز تکرار ہوتی ہے اور قبض روح کو ایک طرح سے نیند میں بھی مشاہدہ کیا جاسکتا ہے اور اسی بنا پر، سوال میں اشارہ کی گئی آیت حضرت عیسیٰؑ کی موت کی قطعی دلیل نہیں ہوسکتی ہے۔

لیکن یہ کہ حضرت عیسیٰؑ کا انجام کیا ہوا، اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل نکات قابل مطالعہ ہیں:

ا۔ عیسائیوں کا اعتقاد ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو سولی پر چڑھا یا گیا اور دشمنوں کے ہاتھوں قتل کئے گئے، لیکن قرآن مجید واضح طور پر ان کی اس قسم کی موت کا انکار کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے: وَ ما قَتَلُوهُ وَ ما صَلَبُوهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُم ....وَ ما قَتَلُوهُ يَقِيناً.[6]

۲۔اگر چہ قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ [ع] کے قتل ہونے سے انکار کیا ہے،لیکن ہم کوئی ایسی آیت نہیں پاتے ہیں جس میں واضح طور پر اعلان کیا گیا ہو کہ انہوں نے کسی دوسری صورت میں وفات نہ پائی ہواور اس وقت زندہ ہیں۔

۳۔(سوال میں اشارہ شدہ) سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۵۵ کے علاوہ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۱۷ کے مطابق اگر چہ حضرت عیسیٰؑ کی موت کا قطعی طور پر استنباط نہیں کیا جاسکتا ہے،لیکن ان آیات سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مادی دنیا سے اس وقت رابطہ، ان کی زندگی میں اپنے پیروں کے ساتھ بلا واسطہ رابطہ سے متفاوت ہے۔

۴۔شیعوں اور اہل سنت کی کتابوں میں ایسی بکثرت روایتیں ملتی ہیں، جن میں حضرت عیسیٰؑ کا زندہ ہونا اعلان کیا گیا ہے۔اگر ہم قرآن مجید میں حضرت عیسیٰؑ کے زندہ ہونے کے بارے میں کوئی واضح آیت بھی پیش نہ کرسکیں،تو ان روایات سے استفادہ کر کے ان کی حیات کے بارے میں علم حاصل کر سکتے ہیں۔ذیل میں ہم اس قسم کی دو روایتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۴۔۱. قال رسول اللهﷺ لليهود: أن عيسى لم يمت و أنه راجع إليكم قبل يوم القيامة؛[7]. قال رسول اللهﷺ لليهود: أن عيسى لم يمت و أنه راجع إليكم قبل يوم القيامة؛[8] پیغمبر اسلام(ص) نے یہودیوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: کہ عیسیٰ نہیں مرے ہیں اور قیامت سے پہلے آپ کے درمیان لوٹ کر آئیں گے۔

۴۔۲ قال رسول اللهﷺ: ... و من ذريتي المهدي إذا خرج نزل عيسى ابن مريم لنصرته فقدمه و صلى خلفه؛[9] پیغمبر اسلام(ص) نے فرمایا: اور مہدی میرے اہل بیت میں سے ہیں، جب وہ ظہور کریں گے،تو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ ان

کی مدد کے لئے آئیں گے اوران کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

۵۔حتی کہ اگر ہم موجودہ روایات کے برخلاف اورتوفی کے دوسرے معنی سے چشم پوشی کرکے اس کے قائل ہو جائیں کہ اشارہ شدہ آیات کے مطابق حضرت عیسیٰؑ کی موت حتمی واقع ہوئی ہے، پھر بھی یہ موضوع ان کے اس وقت زندہ ہونے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ قرآن مجید کی آیات کے مطابق ایک ایسا شخص موجود تھا جو مرنے کے سو سال بعد زندہ ہو چکا ہے۔[10] اس بنا پر ممکن ہے کہ یہ اتفاق حضرت عیسیٰؑ کے لئے بھی پیش آیا ہو۔

حواشی

[1] آل عمران، 54،

[2] ابن منظور، لسان العرب، ج 15، ص 398 و 399، طبع اول، نشر ادب، حوزہ، قم، 1405.ھ

[3] مجمع البحرین، ج 1، ص 444، ادہ وفی، کتابفروشی مرتضوی، تہران، 1375۔

[4] نساء، 97؛ محمد، 27؛ یونس، 46؛ سجدہ، 11.

[5] انعام، 60.

[6] نساء، 157.a

[8] ابن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم، ج 4، ص 1110، ح 6232، مکتبۃ نزار المصطفی الباز، عربستان سعودی، 1419ھ.

[9] شیخ صدوق، الامالی، ج 1، ص 218، انتشارات کتابخانۃ اسلامیہ، تہران، 1362ھ.

[10] بقرہ، 259؛ فَأَمَاتَهُ اللهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ط .اللّٰہُ

قرآن مجید میں حوادث کے جزئیات کیوں ذکر ہوئے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی داستان کی نسبت حضرت موسیٰ ؑ کی داستان کی طرف کیوں زیادہ توجہ دی گئی ہے؟

باوجود اس کے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ آیات الٰہی ہمیشہ جزئیات کو بیان کریں، لیکن بہت سی آیات میں مفصل حد تک، جزئیت بیان کئے گئے ہیں اور یہاں تک کہ بعض مواقع پر تکرار کی صورت میں مثلا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان کے سلسلہ میں مفصل اور تکراری صورت میں داستان کو بیان کیا گیا ہے اور جتنی اہمیت اس داستان کو دی گئی ہے، اتنی پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو نہیں دی گئی ہے یا بہت سے دوسرے مواقع پر مثلا حضرت سلیمان علیہ السلام کی داستان کو پیش کرنے کے سلسلہ میں یا بلقیس کے قصہ کو بیان کرنے میں کیا واقعات کو اس طرح بیان کرنے میں کوئی خاص علت ہے؟!

مختصر جواب

سوال کے پہلے حصہ کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ: ایک حقیقت یا قانون وحکم کو بیان کرنے کے سلسلہ میں اس سے متعلق تمام جزئیات اور خصوصیات کو بیان نہیں کیا جاسکتا ہے اور اس مطلب کا قرآن مجید میں خیال رکھا گیا کیونکہ اگر طے پاتا کہ ایک قانون کے

بارے میں اس کی تمام جزئیات اور تفصیلات بیان کی جائیں، تو خداوند متعال کے لئے ضروری تھا کہ ہر مسلمان کے لئے، اس کی رفتار و زمان و... کے پیش نظر ایک جامع اور مستقل کتاب نازل کرے۔اس قسم کے منفی نتائج کے پیش نظر، آیات الٰہی میں معارف اور قوانین کو بیان کرنے کے سلسلہ میں حقیقت پسندانہ اور عاقلانہ شیوہ اختیار کیا گیا ہے اور قرآن مجید کی آیات میں بہت سے مواقع پر واضح یا تشبیہ یا مثال اور یا داستان کی صورت میں معارف اور کلی قواعد پیش کئے گئے ہیں۔جی ہاں! کبھی کچھ وجوہات کی بنا پر خداوند متعال نے ایک حقیقت یا قانون کو بیان کرنے کے سلسلہ میں اس کے مصادیق ذکر فرمائے ہیں، جیسے جوا، کہ جسے عرب قوم میں ایک بڑا فخر شمار ہوتا تھا اور اس عادت امر کی برائی لوگوں کے لئے پوشیدہ تھی اس لئے خداوند متعال نے ایک آیت میں شراب یا جوے کے بارے میں خاص اور جزئیات کی صورت میں بات کی ہے۔اس طرح جزئیات کو بیان کرنا نہ صرف کل گوئی کی سنت کے خلاف ہے، بلکہ اس کے عین مطابق ہے اور لوگوں کو حیرت اور پریشانی سے دور کرنے کے لئے ہے۔

لیکن سوال کے دوسرے حصہ کا جواب، یعنی گزشتہ اقوام کی داستانیں ذکر کرنے کی وجھ، بالکل واضح ہے۔ کیونکہ اسلاف کی داستانوں کا مطالعہ ہمارے سامنے نئے نظریات کے باب کھولتا ہے تاکہ ہم ان کے انحرافات اور کامیابیوں سے آگاہ ہو جائیں اور ان کی ناکامیوں کو اپنی زندگی میں نہ آزمائیں۔

اس سلسلہ میں بہت سی وجوہ کے بارے میں اشارہ کیا جاسکتا ہے:

الف) انتباہ کے لئے تاریخ کی تفصیلات نقل کرنا، علم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان کا اعجاز اور ظہور تھا۔

ب) یہود و نصاری کے انبیاء کی تاریخ بیان کرنے سے، ان کے پیروکار اپنے دین

اور دین اسلام میں مشترک باتیں کو پاکر اسلام کی طرف رجحان پیدا کرتے تھے اور بغض وعناد کو چھوڑ دیتے تھے۔

ج) اعتقادی مسائل کافی دقیق اور ناقابل لمس ہوتے ہیں۔ خداوند متعال خاص مواقع پر برجستہ بڑے انسانوں کی داستان کو بیان کر کے، ان مسائل کو مکمل طور پر سادہ اور لوگوں کے لئے قابل فہم صورت میں ذکر کرتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کو آگ سے نجات دینے کی داستان میں خداوند متعال کی مطلق قدرت۔

د) گزشتہ اقوام کے کردار سے عبرت اور سبق حاصل کرنا، ان کی داستانوں کو ذکر کرنے کی ایک اور دلیل ہے۔

ھ) غیر مستقیم تعلیم کے عنوان سے داستانوں کو نقل کرنا، تربیت کی بہترین راہوں میں سے ہے۔ قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کے استدلال کی جیسی داستانوں اور...کو پیش کر کے اس روش سے تعلیم، استدلال کے طریقہ، آداب معاشرت ... کے سلسلہ میں کافی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ سوال کے آخری حصہ کے جواب میں کہنا چاہئے کہ: قرآن مجید میں کسی فرد کی داستان کا ذکر، اس کی فضیلت کی دلیل نہیں ہے اوراس کے برعکس اگر کسی کا ذکر نہ کیا گیا ہے تو یہ بھی اس کے مقام کے تنزل کی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ ہم ایک طرف قرآن مجید میں بعض منحرف اور قابل نفرت افراد جیسے: فرعون، ابولہب، سامری اور شیطان کی داستانوں کا مشاہدہ کرتے ہیں اور دوسری طرف بہت سے انبیاء الٰہی کی زندگی کے بارے میں اس کتاب الٰہی میں کچھ نہیں پاتے ہیں۔ اس کی دلیل معارف الٰہی بیان کرنے میں قرآن مجید کی مصلحتوں اور مقاصد کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

آخر میں ہم پر سوال میں تاکید کئے گئے دونکتوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

۱) قوم بنی اسرائیل کے ساتھ مسلمانوں کی بہت زیادہ مشابہت، قرآن مجید میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان کے ذکر کا سبب بنا ہے اور یہ ایسا مطلب ہے کہ قرآن مجید کی آیات بھی اس کی طرف اشارہ کرتی ہیں ۔

۲) قرآن مجید میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے بارے میں مناسب توجہ نہ کئے جانے کا دعویٰ ایک جلد بازی اورغیر عادلانہ ہے کیونکہ آیات کی شان نزول پرغور کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی بہت سی آیات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے مختلف ابعاد اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں ہیں۔

تفصیلی جوابات:

اس سوال کے جواب کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اسے قابل تحلیل حصوں میں الگ الگ کیا جائے اور ہر ایک حصہ کی جانچ پڑتال کے بعد آخری جواب کو حاصل کیا جائے، جو ان کا حاصل جمع ہوگا۔

پہلا حصہ: قرآن مجید کی آیات میں عمومیت اور مکمل بیانی کی دلیل کیا ہے؟ بعض مواقع پر کیوں اس سے ہٹ کر آیات میں مسائل کے جزئیات کی تشریح کی گئی ہے؟

قرآن مجید اللہ کی رسی ہے اور بنی نوع انسان کے لئے سعادت ونجات کا سرچشمہ ہے۔[1] اس لئے انسان کی ہدایت کے لئے ضروری تمام مضامین اورقوانین اس میں موجود ہونے چاہئیں۔

اب اگر قرار ہو کہ تمام مصادیق وجزئیات، خواہ زمانہ نزول سے متعلق ہوں یا مستقبل میں رونما ہونے والے امور سے متعلق ہوں، اس کتاب کے متن میں لکھے جائیں،تو ضروری ہے کہ ہر مسلمان کی زندگی کے لمحات کے برابر ایک جامع کتاب نازل ہو۔ یقینا اس قسم کی چیز ممکن اور عاقلانہ نہیں ہے۔ پس کیا کرنا چاہئے اور کون سے راستہ کو اختیار کرنا چاہئے ؟!

خداوند متعال نے قرآن مجید کو ایک نجات دہندہ جامع نسخہ کے عنوان سے، انسان کی ہدایت کے لئے بہترین صورت میں نازل فرمایاہے۔ اس نے کلی قوانین کو واضح یا مثالوں، حکم اور اسلاف کی داستانوں اور روئدادوں کی صورت میں ذکر کیا ہے تا کہ لوگ مصادیق کو معین کر کے انہیں آیات میں بیان کئے گئے کلیات سے ربط دیں اور صحیح راستہ کو منتخب کر کے حیرت و پریشانی سے نجات پائیں۔

یہ وہی مطلب ہے، جسے امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک صحابی سے مخاطب ہو کر فرمایا: ہماری ذمہ داری ہے کہ ایک عام اور وسیع اصول کو بیان کریں اور آپ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ اس سے فروع حاصل کریں۔[2]

لیکن اس سلسلہ میں، کبھی فروعات کو اصول کی طرف لوٹا دینا مشکل نظر آتا ہے یا اس سلسلہ میں غفلت واقع ہوتی ہے۔ ایسے مواقع پر، قانون ساز پر ضروری ہے کہ بعض جزئیات کو بیان کر کے مخاطبین کو مصادیق معین کرنا سکھا دے۔ مثال کے طور پر خداوند متعال ایک آیت میں فرماتا ہے: ناپاکیوں سے پرہیز کرو[3] چونکہ شراب یا جوا اس زمانہ کے عرف میں عادی[4] مسائل شمار ہوتے تھے اور ان کے برے ہونے کا علم نہیں تھا، خداوند متعال نے دوسری آیت میں، جو پہلی ایت کے مدتوں بعد نازل ہوئی، بعض برائیوں کے مصادیق بیان کرتے ہوئے فرمایاہے: جوا، شراب و... ناپاکیاں ہیں...[5]

لہٰذا بعض جزئیات کو بیان کرنا نہ صرف کتاب کے کلیات کو کوئی ضرر نہیں پہنچاتا ہے بلکہ حالات کو سمجھنے اور جدید مسائل کو قرآن مجید کے کلی قوانین سے مطابق کرنے کی صحیح روش کو پانے کے لئے مناسب مواقع فراہم کرتا ہے اور انحرافات و غلط تاویلات پیدا ہونے کو روکتا ہے۔ اس لئے، بعض اوقات قرآن مجید متعارف علمی کتابوں کے برخلاف ایک حقیقت (ویا قانون) بیان کرتے وقت مصادیق کا ذکر نہیں کرتا ہے، جزئیات بیان کرتا ہے اور کلی قواعد پر

اکتفانہیں کرتا ہے۔

دوسرا حصہ

گزشتہ اقوام کی داستان ذکر کرنے کی علت بیان کیجئے؟ آپ نے اس سے پہلے اشارہ کیا کہ بعض مواقع پر ضروری ہے کہ مسائل جزئی اور قابل لمس صورت میں ذکر کئے جائیں۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ جزئیات، ضرورت کے پیش نظر، داستانوں و تاریخی موارد کی صورت میں کیوں بیان ہوئے ہیں؟ کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ خداوند متعال واضح ومعین طور پر مصادیق کو بیان فرماتا؟! مدنظر رکھنا چاہئے کہ قرآن مجید ایک تاریخی کتاب نہیں ہے تاکہ تمام جزئیات اور تاریخی واقعات کو درج کرے۔ یہ کتاب کچھ ایسی چیزیں بیان کرتی ہے جو انسان کی ہدایت (قرآن کا اصلی مقصد) کے لئے مفید ہوں۔ اس لحاظ سے قرآن مجید نے اسلاف کی داستانوں کو اسی مقصد کے پیش نظر بیان کیا ہے۔

اسلاف کی داستانیں، ہمارے سامنے واضح تر نظریات پیش کرتی ہیں اور ہمیں خطاؤں، انحرافات اور کامیابیوں سے آگاہ کرتی ہیں اور یہ آگاہی ہماری ترقی اور بلندی کے لئے ایک پل کے مانند ہے تاکہ ہم اسلاف کے تلخ تجربوں کی تکرار نہ کریں۔ اسی لئے دینی کتابوں میں، گزشتہ ملتوں کی تاریخ پر دقت نظر اور ان کے اعمال پر غور کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔[6]

یہاں پر مناسب ہے کہ قرآن مجید میں نقل کی گئی داستانوں کی لطافت وحکمت پر توجہ کرنے کے لئے ان کے چند نمونے پیش کریں:

۱) جزئی داستانوں کو نقل کرنا اور مسائل کو تفصیلی طور پر بیان کرنا، انتباہ کے لئے تھا اور یہ قرآن مجید کے معجزوں کے نمونے ہیں۔ کیونکہ بعض موضوعات جو اس مصحف شریف میں آئے ہیں وہ دوسری کسی آسمانی کتاب میں نہیں پائے جاتے اور یہ گزشتہ انبیاء کے بارے

میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الٰہی علم کی حکایت ہے۔ کیونکہ عام انسان پہلے سے ذہنی آمادگی اور مطالعہ کے بغیر مخفی حقائق کا ادراک اور نقل کرنے کی قدرت نہیں رکھتے ہیں۔

۲) رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں بہت سے غیر مسلمان خدا پرست، یہودی یا عیسائی تھے۔ ان کے پیغمبروں کی داستانوں کو قرآن مجید کی آیات کی صورت میں نقل کرنا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغی رسالت کے سلسہ کا حصہ تھا اور اس نے ان کے لئے بیداری کا موقع فراہم کیا۔ وہ لوگ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تفکر کو اپنے انبیاء کے تفکر کے نزدیک پا کر اور ان کے انبیاء کی تاریخ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آگاہی کا مشاہدہ کر کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کرتے تھے اور اسلام کی طرف رجحان پیدا کرتے تھے۔ اور بالآخر بغض وعناد و دشمنی سے ہاتھ کھینچتے تھے اور مسلمانوں کی حمایت کرتے تھے۔ ان مسلمانوں کے ہجرت حبشہ کرنے کے سلسلہ میں ہم اس امر کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ [7]

۳) چونکہ بہت سے نازک اعتقادی مسائل آسانی کے ساتھ قابل ادراک نہیں ہیں اور انسان جب تک نہ ان خاص حالات کا سامنا نہ کرے، ان کو سمجھنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے، اس لئے خداوند متعال گزشتہ پیغمبروں کی زندگی کے بارے میں تفصیلات بیان کر کے فکری اور اعتقادی موضوعات کو آسان اور قابل فہم صورت میں مسلمانوں کے اختیار میں دے دیتا ہے۔ مثال کے طور پر آتش نمرود کے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بے اثر ہونے کی داستان میں خداوند متعال کی قدرت کا مطلق [8] ہونا ایک خوشنما مظہر پیدا کر چکا ہے اور اس کے علاوہ حضرت آدم علیہ السلام کے درخت ممنوعہ کا استفادہ کرنے کی وجہ سے بہشت سے نکال دیئے جانے کی داستان [9] میں شیطان کے فریب کی ظرافت اور انسان میں اس کے نفوذ کی راہیں، انتہائی واضح صورت میں بیان ہوئی ہیں

٤) مذکورہ مواقع کے علاوہ، عبرت اور سبق حاصل کرنا اسلاف کی تاریخ بیان کر

نے کی ایک اہم وجہ ہے، قرآن مجید نے خود اس مطلب کی وضاحت فرمائی ہے: بیشک ان کی داستانوں میں عقلمندوں کے لئے ایک عبرت ہے۔[10]

عبرت حاصل کرنے کے مؤثر با اثر ترین مواقع میں سے، عذاب الٰہی کا بیان ہے کہ گزشتہ اقوام ناشکری کی وجہ سے اس سے دوچار ہوجائیں اور قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جیسے: قوم ثمود پر بجلی گرنا یا طوفان نوح علیہ السلام

۵) بہت سے مطالب، جیسے: آداب معاشرت، تربیت، استدلال وغیرہ کے سلسلہ میں ان ہی داستانوں سے استفادہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ بالواسطہ تربیت، تعلیم وتربیت کی فائدہ مندترین روش ہے جس کا اثر زائل نہیں ہوتا ہے اور فوری طور پر فراموش نہیں ہوتا ہے۔ اس طریقہ میں، متعلم خود کو داستانوں کی شخصیتوں کی جگہ پر قرار دیتا ہے اور اپنے معلم کی تعلیمات کو باریکی سے محسوس کرتا ہے۔ اسی لئے، یہ روش مخاطبین کو تعلیمات کی نسبت زیادہ ذمہ زمہ داری کا احساس دلاتی ہے۔

اس قسم کے بیانات کو بہت سی داستانوں میں پایا جاسکتا ہے، جیسے: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت پرستوں کے لئے ان کے بڑے بت کے بارے میں سورج اور چاند کے ذریعہ استدلال کرنا اور حضرت لقمان کی اپنے بیٹے کو کی گئی نصیحتیں۔

البتہ داستانوں کو بیان کرنے میں، اور بھی کچھ حکمتیں اور فلسفے ہیں جن سے مزید آگاہی کے لئے تفاسیر اور قصص الانبیاء کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

تیسرا حصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات کے بارے میں کس لئے اس قدر تاکید وتکرار کی گئی ہے؟ اور جتنی اہمیت ان کو دی گئی ہے، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کو کیوں اتنی اہمیت نہیں دی گئی ہے؟!

قرآن مجید، کتاب نور وہدایت ہے اور جو کچھ اس میں بیان ہوا ہے، وہ انسان کی ہدایت کے سلسلہ میں ذکر کرنا ضروری تھا۔ اس لئے اگر قرآن مجید میں کسی مطلب کو مکرر صورت میں بیان کیا گیا ہے اور اس کی تاکید کی گئی ہے، تو وہ اسی مقصود کو پانے کے لئے تھا۔ کیونکہ ممکن ہے ایک مطلب کو مختلف حالات میں اور گوناگوں طریقوں سے بیان کرنے کی ضرورت ہو، تاکہ سبق اور نصیحت کے لحاظ سے مخاطب پر اس کا اثر زیادہ ہوجائے۔ اس سلسلہ میں شائد بھی کہا جا سکتا ہے کہ: حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے سلسلہ میں قرآن مجید کے مکرر توجہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم کے نشیب وفراز سے بھری زندگی مسلمانوں کی زندگی کے ساتھ حد سے زیادہ مشابہت رکھتی ہے

نمونہ کے طور پر: اسلام میں جنگ بدر کی داستان، طالوت علیہ السلام کے ساتھیوں کی داستان سے کافی حد تک مشابہت رکھتی ہے۔ تاریخی شواہد کے مطابق دونوں سپاہوں، یعنی سپاہ طالوت اور سپاہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجاہدین کی تعداد ۳۱۳ تھی اور دونوں نے اپنے سے بڑی دشمن کی فوج سے جنگ کی اور دونوں کامیاب ہوئے۔[11] قرآن مجید طالوت اور اس کے ساتھیوں کی داستان کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کافروں کی ایک بڑی تعداد کے مقابلہ میں اس مختصر گروہ کی استقامت وصبر وشکیبائی کی ستائش کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کے لئے ایک مثال اور نمونہ بن جائے۔

بہت سی روایتوں میں ائمہ معصومین علیہم السلام نے اسی مشابہت کی طرف اشارہ فرمایا ہے ان میں سے ایک میں امت سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: تم بھی بنی اسرائیل کے مانند ہو اور ان کے جیسے کام انجام دوگے [12]

لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کہنا چاہئے کہ:

اگر چہ قرآن مجید میں زیادہ وضاحت اور مکرر صورت میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام

نہیں لیا گیا ہے، لیکن آیات کی شان نزول پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ، آیات کی ایک بڑی تعداد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اہل بیتؑ اور اصحاب کے بارے میں ہے اور ان آیات کی تعداد حضرت موسی اور ان کی قوم، بنی اسرائیل سے متعلق آیات سے کئی گنا زیادہ ہے۔ حقیقت میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی داستان اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہدایتی رول کو خود آنحضرتؐ کے زمانہ اور حالات میں ڈھونڈھنا چاہئے اور اس سلسلہ میں بہت سے واقعات کی طرف قرآن مجید میں اشارہ کیا گیا ہے۔

قابل توجہ بات ہے کہ بہت سے انبیاء کی داستانیں قرآن مجید میں ذکر نہیں ہوئی ہیں، لیکن یہ مسئلہ ان کے لئے کمزوری کا نقطہ شمار نہیں ہوتا ہے، کیونکہ تمام انبیائے الہی، انسان کامل اور آراستہ ہیں اور خداوند متعال کے ارادہ سے ہر عیب ونقص سے پاک ہیں۔ دوسری جانب قرآن مجید ایسے افراد کی داستانوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جو بارگاہ الٰہی سے قابل نفرین اور مردود ہیں لیکن یقینا قرآن مجید میں ان کے نام کا ذکر ان کی فضیلت کی کوئی دلیل نہیں ہے اور قرآن مجید نے صرف چند مصلحتوں اور مقاصد کے پیش نظر ان کی زندگی کی داستانوں کو بیان کیا ہے۔

اس لئے قرآن مجید کا ہدایت کا رول سبب بن جاتا ہے کہ کبھی پیغمبروں کا ذکر کرے اور کبھی ایسے افراد کا نام لے جو پیغمبر یا نبی ہیں، لیکن خدا ان سے راضی ہے (جیسے: ذوالقرنین یا حضرت مریمؑ کے والد عمران) اور کبھی ایسے افراد کی زندگی کا ذکر کرتا ہے جو خدا کی بارگاہ میں قابل نفرت اور مغضوب ہیں (جیسے: فرعون وشیطان) اسی طرح یہ امر اس بات کا سبب بن جاتا ہے کہ قرآن مجید کسی داستان کو بار بار دہرائے (جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی داستان) یا اس کی طرف صرف چند بار اشارہ کرے (جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا بہشت میں داخل ہونا کہ قرآن مجید میں اس کا صرف تین بار ذکر آیا ہے) یا اسے صرف ایک بار ذکر کرے (جیسے

حضرت آدم علیہ السلام کی خلقت کی داستان اور خداوند متعال کی ملائکہ سے گفتگو اور ان کا خداوند متعال کی بارگاہ میں اعتراض کرنا)

منابع وماخذ

۱۔حلی، ابن ادریس السرائر، موسسہ ی نشر السلامی، طبع دوم، سال ۱٤۱۱ ھ ق.

۲۔حلی، یحییٰ بن سعید، الجامع للشرایع، نشر موسسہ ی سید الشہداء، سال ۱٤۰۵ ھ ق.

۳۔سبحانی جعفر، فراز ہائی از تاریخ پیامبر اسلام، نشر مشعر، سال ۱۳۷۵ ھ ش.

٤۔سلیم بن قیس ہلالی، اسرار آل محمد، انتشارات الہادی، طبع دوم، سال ۱٤۱۸ ھ ق.

۵۔قاضی ابن براج، المہذب، نشر جامعہ ی مدرسین حوزہ ی علمیہ ی قم، سال ۱٤۰٦ ھ ق.

٦۔محمد صادق نجمی و ہاشم ہریسی، شناخت قرآن، انتشارات مدینۃ العلم، قم، سال ۱٤۰۲ ھ ق.

۷۔المیزان فی تفسیر القرآن، ترجمہ.

حواشی

[1] هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱۳۸، آل عمران، ۱۳۸ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ اسریٰ، ۹.

[2] احمد بن محمد ابی نصر، عن ابی الحسن الرضا علیہ السلام قال: علینا القاء الاصول الیکم و علیکم التفریع. حلی، ابن ادریس، السرائر، ج ۳، ص ۵۷۵۔ الحلی، یحییٰ بن سعید، الجامع للشرایع، ص ٤.

[3] فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ ...، حج، ۳۰.

[4] محمد صادق نجمی و ہاشم ہریسی، شناخت قرآن، ص ۷۸.

[5] اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ ...، مائدہ۔ ۹۰.

[6] مثال کے طور پر درج ذیل آیات ملاحظہ ہوں: یوسف۔۱۰۹: روم۔٤۲۔۹ محمد۔۱۰ غافر۔۲۱ و ۸۲

[7] سبحانی،جعفر،فرازہائی از تاریخ اسلام،ص۱۲۸.

[8] طباطبایی،محمد حسین،تفسیر المیز ان،ج۱،ص۱۲۰.

[9] بقرہ،۳۵

[10] لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي يوسف،۱۱۱.

[11] سبحانی،جعفر،فرازہائی از تاریخ پیامبر اسلام،ص۲۲۲.

[12] ملاحظہ ہو::سلیم بن قیس،ہلالی،اسرار آل محمد،ص۲۴۲ و ۵۲۸.

کیا شداد کی بہشت کے بارے میں قرآن مجید میں کوئی مطلب بیان کیا گیا ہے؟

قرآن مجید میں شداد کی بہشت کا واضح طور پر کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ لیکن بعض مفسرین نے آیہ شریفہ: اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ۝ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ۝ [1] کو شداد کی بہشت سے تطبیق کرتے ہوئے کہا ہے کہ:

روایت نقل کی گئی ہے کہ: عاد کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام شداد تھا اور دوسرے کا نام شدید تھا۔ شداد و شدید کو جب سلطنت ملی تو انہوں نے ظلم و جبر سے شہروں پر قبضہ کیا شدید کے مرنے کے بعد شداد سلطنت کا مالک بنا اور پوری دنیا پر قبضہ کیا اس نے بہشت کے اوصاف سنے اور حکم دیا کہ اس کے لئے بہشت کے مانند ایک بہشت کو تعمیر کریں۔ اس کے بعد عدن کے ایک بیابان میں ارم بنایا گیا اور اس کو بنانے میں تین سو سال لگ گئے اور شداد کی عمر نو سو سال تھی۔ ارم ایک بڑا شہر تھا اور اس کے محل سونے اور چاندی کے تھے اور ان کے ستون زبرجد اور یاقوت کے بنے تھے اس شہر میں نہریں ایک دوسری سے ملی ہوئی تھیں۔ جب اس شہر کی عمارتیں مکمل ہوئیں، تو شداد اپنے درباریوں کے ہمراہ اس شہر کی طرف روانہ ہوا۔ ابھی اس شہر تک پہنچنے میں ایک دن اور رات کا وقت باقی تھا کہ، خداوند متعال نے آسمان سے ایک بلا نازل کی اور وہ سب ہلاک ہوئے۔[2]

حواشی:

[1]۔ستون والے ارم والے، جس کا مثل دوسرے شہروں میں نہیں پیدا ہوا ہے۔فجر 7 و 8۔

[2]۔طبرسی، فضل بن حسن، تفسیر جوامع، ج 4، ص 486، انتشارات دانشگاہ تھران، مدیریت حوزہ علمیہ قم، تھران طبع اول، 1377 ش؛ زمخشری، محمود، الکساف عن حقئق غوامض التنزیل، ج 4، ص 748، دارالکتاب الغربی، بیروت، طبع سوم، 1407 ھ۔

بنی اسرائیل کے سروں پر کوہ طور کو لٹکانے کے کیا معنی ہیں؟

سورہ بقرہ، کی آیت نمبر ۶۳ میں ارشاد ہوتا ہے: اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم سے توریت پر عمل کرنے کا عہد لیا اور تمہارے سروں پر کوہ طور کو لٹکا دیا کہ اب توریت کو مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کرر کھو شاید اس طرح پرہیز گار بن جاؤ اس آیت کے مطابق بنی اسرائیل سے پیمان لینے کے بعد ان کے سروں پر کوہ طور کو لٹکانے کی بات کی گئی ہے ظاہر ہے کہ یہ آیت کسی قدر علمی حقائق سے دور ہے۔ اگر کوہ طور کو لٹکانے سے مراد ابتدائے خلقت میں ہے، تو اس جملہ کو بنی اسرائیل سے پیمان لینے کے بعد بیان کرنا ہذیان گوئی کے علاوہ کچھ نہں ہے یہ آیت کیسے قابل توجہ ہے؟

مختصر جواب

قرآن مجید کی کئی آیات میں، و رفعنا فوقکم الطور کی تعبیریں اوراس کے مشابہ تعبیریں بنی اسرائیل کے بارے میں بیان کی گئی ہیں، تفسیر کی کتابوں کے مطابق یہ آیات ایک تاریخی واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہیں جو بنی اسرائیل کی طرف سے خدا کے احکام کی مخالفت کی وجہ سے حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں واقع ہوا ہے اور خداوند قادر متعال کوہ طور کو بنی اسرائیل کے سروں کے اوپر سے حرکت میں لایا ہے، خداوند متعال کی لایزال قدرت کے

پیش نظر، کہ اس نے لاکھوں اور کروڑوں ستارے، نظام شمسی اور کہکشان پیدا کئے ہیں اور انہیں معین فاصلوں کے درمیان فضا میں حرکت دی ہے، قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کئے گئے امر کا وقوع عقل وعلم کے لحاظ سے ناممکن نہیں ہے اور اس میں کسی قسم کا تعجب نہیں ہے۔

تفصیلی جوابات

سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۶۳ میں بنی اسرائیل کے بارے میں دونکتوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

۱۔ بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لینا

اس عہد و پیمان کے بعض مطالب قرآن مجید کی آیات [1] اورتوریت میں بھی بیان کئے گئے ہیں، جو یہ تھے کہ: پروردگار عالم کی وحدانیت، تمام انبیائے الٰہی کا ایمان، ماں باپ اور اقرباء اور یتیموں اور حاجتمندوں کے ساتھ نیکی، خدا کی راہ میں صدقہ دینا اور انفاق کرنا، نیک گفتار، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، خون ریزی سے پرہیز کرنا وغیرہ۔ سورہ مائدہ کی آیت نمبر ۱۲ میں ان کے لئے ضمانت دی جاتی ہے کہ اگر اس عہد و پیمان پر عمل کریں گے تو وہ اہل بہشت ہوں گے۔

۲۔ کوہ طور کا بنی اسرائیلیوں کے سر پر لٹکنا:

تفسیر کی کتابوں میں جو کچھ آیا ہے، اس کے مطابق، بنی اسرائیل کے سر پر کوہ طور کا قرار پانا ایک حقیقت تھی کہ یہ واقعہ حضرت موسیٰ کے زمانہ میں پیش آیا ہے اور یہ وہ موضوع

نہیں ہے جو ابتدائے خلقت میں واقع ہوا ہو، قابل ذکر ہے کہ قرآن مجید نے اپنی آیات میں سے چند آیات میں بنی اسرائیل کے بارے میں ورفعنا فوقکم الطور کی تعبیر اور اس کے مشابہ تعبیرات سے اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔[2]

طبرسی نے ابن زید کے قول سے یوں نقل کیا ہے کہ: جب حضرت موسیؑ کوہ طور سے لوٹے اور اپنے ساتھ توریت لائے تو، اپنی قوم میں اعلان کیا کہ میں آسمانی کتاب اپنے ساتھ لایا ہوں جس میں دینی احکام اور حلال وحرام کے احکام ہیں، یہ وہ احکام ہیں جنہیں خداوند متعال نے تمہارے کام کا پروگرام قرار دیا ہے۔ اسے قبول کرو اور اس کے احکام پر عمل کرو۔ یہودیوں نے اس بہانے سے کہ حضرت موسیؑ نے ان کے لئے مشکل تکالیف لائے ہیں، نافرمانی اور سرکشی کرنے کا فیصلہ کیا، خداوند متعال نے بھی فرشتوں کو مامور کیا تا کہ کوہ طور کے ایک بڑے ٹکڑے کو ان کے سروں کے اوپر قرار دیں، اس وقت حضرت موسیؑ نے اعلان کیا: اگر تم لوگ عہد و پیمان کرو گے اور خدا کے احکام پر عمل کرو گے اور نافرمانی وسرکشی کے بارے میں توبہ کرو گے،تو یہ عذاب اور سزا تم لوگوں سے اٹھالی جائے گی ورنہ تم سب ہلاک ہوجاؤ گے، انہوں نے ہتھیار ڈالدیئے اور توریت کو قبول کیا ور خداوند متعال کے لئے سجدہ کیا، جبکہ ہر لمحہ ان کو انتظار تھا کہ پہاڑ ان کے سروں پر گرجائے گا،لیکن توبہ کی برکت سے بالآخر یہ عذاب الٰہی ان کے سروں سے ٹل گیا۔[3]

اس بنا پر مذکورہ آیہ شریفہ انبیاء کے میثاق اور احکام کے خلاف کافروں کی نافرمانی اور سرکشی پر تنبیہ کے سلسلے میں خداوند متعال کی عظمت وقدرت کی نشانی بیان کرتی ہے جو تاریخ میں واقع ہوئی ہے۔ اور خداوند متعال کی لا یزال قدرت کے پیش نظر لاکھوں اور کروڑوں ستارے، نظام شمسی اور کہکشانوں کو پیدا کیا ہے اور یہ سب ایک معین فاصلے پر فضا میں بڑی سرعت کے ساتھ حرکت میں ہیں اس لئے اس قسم کا واقعہ رونما ہونا کہ جس کی طرف قرآن

مجید نے اشارہ کیا ہے [پورا کوہ طور یا اس کا ایک حصہ بنی اسرائیل کے سروں پر سے گزرے گا] عقل وعلم کے لحاظ سے ناممکن نہیں ہے اور یہ امر کوئی تعجب کا سبب نہیں ہے۔ البتہ ممکن ہے، کہ یہ عام طور پر ایک غیر معمولی امر ہو۔لیکن قابل بیان ہے کہ یہ حادثہ انبیاے الٰہی کے دوسرے معجزوں کے مانند [جیسے حضرت عیسیٰ کے ذریعہ مردوں کو زندہ کرنے اور حضرت صالح کے پہاڑوں میں سے اونٹ کو نکالنے وغیرہ جیسے واقعات، جو سب غیر معمولی کام تھے اور خدا کے حکم سے عام لوگوں کے سامنے واقع ہوئے ہیں۔

یہاں پر اس نکتہ کی یاد دہانی کرنا بھی ضروری ہے کہ، بنی اسرائیل کے سروں پر کوہ طور قرار پانے کی توصیف میں بعض مفسرین اعتقاد رکھتے ہیں کہ خدا کے حکم سے، کوہ طور اپنی جگہ سے جدا ہوگیا اور ایک سائبان کے مانند ان کے سروں پر قرار پایا[4]۔ یہ نظریہ اس آیت سے لیا گیا ہے کہ ارشاد ہوتا ہے: اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم سے توریت پر عمل کرنے کا عہد لیا اور تمہارے سروں پر کوہ طور کو لٹکا دیا کہ اب توریت کو مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اسے یاد کر رکھو شاید اس طرح پرہیزگار بن جاو۔ [5]

البتہ اس حادثہ کے جزئیات کے بارے میں، کچھ اور ممکنات پیش کئے گئے ہیں کہ اس پہاڑ پر ایک شدید زلزلہ واقع ہوا اور پہاڑ ایسے ہلا کہ جو افراد پہاڑ کے نیچے تھے، انہوں نے اس پہاڑ کے اوپر والے حصوں کے سایہ کو اپنے اوپر مشاہدہ کیا اور احتمال دیتے تھے کہ ہر لمحہ ممکن ہے کہ وہ پہاڑ ان کے سروں پر گر جائے گا۔لیکن خداوند متعال کی مہربانی سے زلزلہ رک گیا اور پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہا۔[6]

اور یا یہ کہ یہ احتمال بھی ہے کہ خدا کے حکم سے پہاڑ کا ایک بہت بڑا ٹکڑا زلزلہ اور شدید بجلی کی وجہ سے اپنی جگہ سے جدا ہوا اور اان کے سروں کے اوپر سے اس طرح گزرا کہ انہوں نے چند لمحوں تک اسے اپنے سروں پر مشاہدہ کیا اور احتمال دیتے تھے کہ ان کے سروں

پر گر جائے گا۔[7] لیکن ایسا لگتا ہے کہ پیش کی گئی بعض توصیفات اوتوجیہات، اس ضمن میں تھیں کہ اپنے مخاطبین کو باور کرائیں کہ یہ معجزہ الہی، کوئی خاص حیرت ناک اور عجیب نہیں ہے اور انسان کی عقل کے معیاروں کے متناسب ہے۔

ہم اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو موضوع عقل کے لحاظ سے ناممکن نہ ہو وہ کسی توجیہ کے بغیر پروردگار کی طاقت کے دائرہ میں ہوگا اور ایک معجزہ کے جزئیات کی توصیف میں صرف شرعی مستندات پر تکیہ کرنا چاہئے یا مسلم عقلی اصولوں سے استفادہ کرنا چاہئے۔

حواشی

[1] مائدہ، 12.

[2] بقرہ، 63؛ بقرہ 93؛ نساء 154؛ اعراف، 171.

[3] مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، ج 1، ص 294.، دار الکتب ال إسلامیۃ، تہران، 1374 ھ ش.

[4] طبرسی، فضل بن حسن، مجمع البیان فی تفسیر القرآن، ج 4، ص 764 (ذیل آیہ 171۔ اعراف)، انتشارات ناصر خسرو، تہران، 1372 ھ ش.

[5] اعراف، 171.

[6] رشید رضا، محمد، تفسیر المنار، ذیل آیہ مورد بحث. بہ نقل از تفسیر نمونہ، ج 1، ص: 294

[7] مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، ج 1، ص 294.، دار الکتب ال إسلامیۃ، تہران، 1374 ھ ش

نا قابل رویت خدا، جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن بھی دیکھا نہ جائے گا، بنی اسرائیل کے لئے کیسے قابل رویت ہوتا ہے اور جسمیت پیدا کرتا ہے؟

سوہ بقرہ کی ۵۵ ویں آیت میں ارشاد ہے: اور وہ بھی یاد کرو جب تم نے موسی سے کہا کہ: ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو اعلانیہ نہ دیکھ لیں جس کے بعد بجلی نے تم کو لے ڈالا اور تم دیکھتے ہی رہ گئے (کہ کس طرح نا قابل رویت خدا، جس کے بارے میں کہا گیا ہے کہ قیامت کے دن بھی دیکھا نہ جائے گا، بنی اسرائیل کے لئے کیسے قابل رویت ہوتا ہے اور جسمیت پیدا کرتا ہے۔ جو خدا قابل تغیر ہو وہ خدا نہیں ہوسکتا ہے کیا تم مسلمان، ایسی آیت کے ہوتے ہوئے عیسائیوں کے اس قول کی مخالفت کر سکتے ہو کہ عیسیٰؑ خدا کے بیٹے ہیں؟

مختصر جواب

خداوند متعال کا دنیا و آخرت میں نا قابل رویت ہونا شیعہ مذہب کے مسلمات اور ضروریات میں شمار ہوتا ہے۔

خداوند متعال کے (دنیا و آخرت میں (نا قابل رویت ہونے کے بارے میں کافی نقلی اور عقلی برہان موجود ہیں (ان سے آگاہ ہونے کے لئے اس سوال کا تفصیلی جواب ملاحظہ

ہو)

خداوند متعال سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۵۵ کے آخر پر فرماتا ہے: وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ﴿۵۰﴾ آپ کی غلطی کا سرچشمہ یہ ہے کہ آپ نے فعل تنظرون کے مفعول کو خدا جانا ہے جبکہ اس فعل کا مفعول بجلی ہے نہ کہ خداوند متعال۔

اس بنا پر آیہ شریفہ کا ترجمہ یوں ہے:۔۔۔اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے کہا: اے موسی! ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو علانیہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں، جس کے بعد بجلی نے تم کو لے ڈالا اور تم (بجلی کو) دیکھتے ہی رہ گئے۔

تفصیلی جوابات

اگرچہ تمام مسلمان خدا کی رویت کے بارے میں متفق القول نہیں ہیں، لیکن شیعہ امامیہ اس سلسلہ میں کسی قسم کا اختلاف نہیں رکھتے ہیں بلکہ خداوند متعال کا نا قابل رویت ہونا مکتب اہل بیتؑ کے مسلمات اور ضروریات میں سے ہے۔

خداوند متعال کے (دنیا و آخرت میں) نا قابل رویت ہونے کے بارے میں کافی نقلی و عقلی دلائل و برہان موجود ہیں، من جملہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے: تو اس کے بعد جب موسی ہمارا وعدہ پورا کرنے کے لئے آئے اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا تو انہوں نے کہا کہ پروردگار مجھے اپنا جلوہ دکھادے ارشاد ہوا تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے ہو البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ پر قائم رہ گیا تو پھر مجھے دیکھ سکتے ہو اس کے بعد جب پہاڑ پر پروردگار کی تجلی ہوئی تو پہاڑ چور چور ہو گیا اور موسی بیہوش ہو کر گر پڑے، پھر جب انہیں ہوش آیا تو کہنے لگے پروردگارا تو پاک و پاکیزہ ہے میں تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا ایمان لانے والا ہوں [1]۔ اس آیہ شریفہ میں لن ترانی کی عبارت قابل بحث ہے کہ عربی ادبیات کے ماہرین نے کہا ہے کہ لفظ لن ابدی انکار کے معنی میں ہے، اس لحاظ سے

ترجمہ: تم ہرگز مجھے نہیں دیکھ سکتے ہو اس کے لئے مناسب ہے جو یہ دلالت کرتا ہے کہ خداوند متعال ہرگز قابل رویت نہیں ہے نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں۔

اس سلسلہ میں مزید آگاہی حاصل کرنے کے لئے اسی سائٹ کا عنوان شیعہ وسنی رویت خدا سوال نمبر ۷۷ ۸۴ قابل ملاحظہ ہے۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ آپ کے سوال کا سرچشمہ آپ کی عربی زبان سے نا واقفیت ہے، کیونکہ خداوند متعال سورہ بقرہ کی آیت ۵۵ میں ارشاد فرماتا ہے: وانتم تنظرون یہاں پر آپ کی غلط فہمی یہ ہے کہ آپ نے فعل تنظروں کا مفعول خدا لیا ہے جبکہ اگر آپ عربی زبان کے بارے میں معمولی سی واقفیت بھی رکھتے تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اس فعل کا مفعول بجلی ہے نہ کہ خداوند متعال [2] یعنی موت کے اسباب کے طور پر آگ کو دیکھتے تھے۔ [3] اسی لحاظ سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ رویت خدا کے قائلین نے بھی آپ کی طرح اس آیت سے استناد نہیں کیا ہے۔

اس بنا پر اس آیہ شریفہ کا ترجمہ یہ ہے: اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب تم نے کہا: اے موسی! ہم اس قت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک خدا کو اعلانیہ (اپنی آنکھوں سے) دیکھ لیں جس کے بعد بجلی نے تم کو لے ڈالا اور تم) بجلی کو (دیکھتے ہی رہ گئے۔

اس بنا پر آپ کے اعتراضات معنی کو غلط سمجھنے پر مبنی ہیں پس ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

حواشی

[1] اعراف۔ ۱۴۳۔

[2] الاقرب یمنع الابعد۔

[3] مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج ۱۳ ص ۱۹۹، موسسہ الوفاء، بیروت، ۱۴۰۴ ھ۔

کیا قرآن مجید اور روایات میں حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں کچھ مطالب بیان کیے گئے ہیں؟

مختصر جواب

قرآن مجید میں واضح طور پر حضرت خضر علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا ہے، بلکہ انہیں عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾ [i] کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے، جو ان کے مقام عبودیت اور خاص علم و دانش کو بیان کرتا ہے، اور انہیں موسی بن عمران علیہ السلام کے معلم کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے متعدد روایات میں اس عالم شخص خضرؑ کے نام سے معرفی کیا گیا ہے

وہ ایک الٰہی دانشور تھا، ان پر خداوند متعال کی خاص رحمت نازل ہوئی تھی، اور وہ باطن و نظام تکوینی عالم کے مامور تھے اور بعض اسرار سے آگاہ تھے اور ایک لحاظ سے حضرت موسی بن عمرانؑ کے معلم تھے، اگر چہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بعض جہات سے ان پر مقدم تھے

بعض روایات اور بظاہر بعض قرآنی آیات کی تعبیرات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضرؑ مقام نبوت کے مالک تھے اور مرسل پیغمبروںؑ میں سے تھے کہ خداوند متعال نے انہیں ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا تھا تا کہ انہیں یکتا پرستی اور انبیاء و رسل کے اقرار کرنے اور آسمانی کتابوں کی طرف دعوت دے ان کا معجزہ یہ تھا کہ جب بھی ارادہ فرماتے اذن الٰہی

سے ایک خشک لکڑی یا خشک زمین سرسبز وشاداب ہوجائے تو یہ امر فوراً محقق ہوتا تھا اور اسی لحاظ سے انہیں خضرؑ کہا گیا ہے اور خضر ان کا لقب ہے ان کا اصل نام تالیا بن ملکان بن عابر بن ارمخشد بن سام بن نوح است۔

قرآن مجید حضرت خضر اور حضرت موسیٰ (علیہما السلام) کی داستان کے بارے میں یوں فرماتا ہے:

تو اس جگہ پر ہمارے بندوں میں سے ایک ایسے بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے علم خاص میں سے ایک خاص علم کی تعلیم دی تھی موسیٰؑ نے اس بندے سے کہا کہ کیا میں آپ کے ساتھ رہ سکتا ہوں کہ آپ مجھے اس علم میں سے کچھ تعلیم کریں جو رہنمائی کا علم آپ کو عطا ہوا ہے اس بندہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے اور اس بات پر کیسے صبر کریں گے جس کی آپ کو اطلاع نہیں ہے موسیٰؑ نے کہا کہ آپ انشاءاللہ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے کسی حکم کی مخالفت نہ کروں گا اس بندہ نے کہا کہ اگر آپ کو میرے ساتھ رہنا ہے تو بس کسی بات کے بارے میں اس وقت تک سوال نہ کریں جب تک میں خود اس کا ذکر نہ شروع کردوں پس دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو اس بندہ خدا نے اس میں سوراخ کردیا موسیٰؑ نے کہا کہ کیا آپ نے اس لئے سوراخ کیا ہے کہ سواریوں کو ڈبودیں یہ تو بڑی عجیب بات ہے اس بندہ خدا نے کہا کہ میں نے نہ کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے موسیٰؑ نے کہا کہ خیر جو فروگذاشت ہوگئی اس کا مواخذہ نہ کریں اور معاملات میں اتنی سختی سے کام نہ لیں پھر دونوں آگے بڑھے یہاں تک کہ ایک نوجوان نظر آیا اور اس بندہ خدا نے اسے قتل کردیا موسیٰؑ نے کہا کہ کیا آپ نے ایک پاکیزہ نفس کو بغیر کسی نفس کا قتل کیا ہوا سے قتل کردیا ہے یہ تو بڑی عجیب سی بات ہے بندہ صالح نے کہا کہ میں نے کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکتے ہیں موسیٰؑ نے کہا کہ

اس کے بعد میں کسی بات کا سوال کروں تو آپ مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیں کہ آپ میری طرف سے منزل عذر تک پہنچ چکے ہیں پھر دونوں آگے چلتے رہے یہاں تک کہ ایک قریہ والوں تک پہنچے اوران سے کھانا طلب کیا ان لوگوں نے مہمان بنانے سے انکار کردیا پھر دونوں نے ایک دیوار دیکھی جو قریب تھا کہ گر پڑتی، بندہ صالح نے اسے سیدھا کردیا تو موسیٰؑ نے کہا کہ آپ چاہتے تو اس کی اجرت لے سکتے تھے بندہ صالح نے کہا کہ یہ میرے اور تمہارے درمیان جدائی کا موقع ہے عنقریب میں تمہیں ان تمام باتوں کی تاویل بتادوں گا جن پر تم صبر نہیں کر سکے یہ کشتی چند مساکین کی تھی جو سمندر میں بار برداری کا کام کرتے تھے میں نے چاہا کہ اسے عیب دار بنادوں کہ ان کے پیچھے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو غصب کرلیا کرتا تھا اور یہ بچہ اس کے ماں باپ مومن تھے اور مجھے خوف معلوم ہوا کہ یہ بڑا ہوکر اپنی سرکشی اور کفر کی بنا پر ان پر سختیاں کرے گا تو میں نے چاہا کہ ان کا پروردگار انہیں اس کے بدلے ایسا فرزند دیدے جو پاکیزگی میں اس سے بہتر ہو اور صلہ رحم میں بھی اور یہ دیوار شہر کے دو یتیم بچوں کی تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا اور ان کا باپ ایک نیک بندہ تھا تو آپ کے پروردگار نے چاہا کہ یہ دونوں طاقت وتوانائی کی عمر تک پہنچ جائیں اور اپنے خزانے کو نکال لیں یہ سب آپ کے پروردگار کی رحمت ہے اور میں نے اپنی طرف سے کچھ نہیں کیا ہے اور یہ ان باتوں کی تاویل ہے جن پر آپ صبر نہ کر سکے ہیں

[i] کہف، 8265

تفصیلی جوابات

قرآن مجید میں واضح طور پر حضرت خضر کا نام نہیں لیا گیا ہے، بلکہ ان کے بارے میں: عَبۡدًا مِّنۡ عِبَادِنَآ اٰتَيۡنٰهُ رَحۡمَةً مِّنۡ عِنۡدِنَا وَعَلَّمۡنٰهُ مِنۡ لَّدُنَّا عِلۡمًا﴿۶۵﴾ ...[1] کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے جو ان کی عبودیت کے مقام اور خاص علم و دانش کو بیان کرتا ہے

متعدد روایات میں اس عالم شخص کا نام خضر کے عنوان سے معرفی کیا گیا ہے

وہ ایک الٰہی دانشور تھے، خدا وندمتعال کی خاص رحمت ان کے شامل حال تھی، وہ عالم تکوین کے باطن و ظاہر کے مامور تھے، بعض اسرار سے آگاہ تھے اور ایک لحاظ سے حضرت موسیٰؑ بن عمران کے معلم تھے، اگر چہ حضرت موسیٰؑ بعض لحاظ سے ان پر مقدم تھے

بعض روایات اور بظاہر قرآن مجید کی بعض آیات کی تعبیر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضرؑ مقام نبوت پر فائز تھے اور مرسل انبیاء میں سے تھے کہ خدا وندمتعال نے انہیں ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا، تا کہ انہیں یکتا پرستی اور انبیاء ورسل اور آسمانی کتابوں کا اقرار کرنے کی دعوت دیں ان کا معجزہ یہ تھا کہ جب ارادہ فرماتے تھے کہ ایک خشک لکڑی یا خشک زمین، سرسبز وشاداب ہو جائے، تو امر فوراً محقق ہوتا تھا اور اس لئے آپ کو خضر (یعنی) کہا گیا ہے اور خضر ان کا لقب ہے ان کا اصلی نام تالیا بن ملکان بن عابر بن ارفخشد بن سام بن نوح ہے [2]

قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے بارے میں حضرت موسیٰؑ کے مجمع البحرین جانے کی داستان کے علاوہ کہیں کوئی چیز ذکر نہیں ہوئی ہے اور ان کے بارے میں یہی ارشاد فرمایا ہے: تو اس جگہ پر ہمارے بندوں میں سے ایک بندے کو پایا جسے ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے علم خاص میں سے ایک خاص علم کی تعلیم دی تھی [3]

حضرت امام صادق علیہ السلام سے نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا: لیکن وہ خدا کا بندہ صالح خضر، خداوند متعال نے اس کی عمر کو اس کی رسالت کے لئے طولانی نہیں کیا اور نہ اس پر نازل کی جانے والی کتاب کے لئے اور نہ اس لئے کہ ان کے اور ان کی شریعت کے ذریعہ، ان سے پہلے والے انبیاءؑ کی شریعت کو منسوخ کرے اور نہ اس کی امامت کے لئے کہ بندگان خدا اس کا اقتدا کریں اور نہ اس اطاعت کے لئے جسے خدا نے ان پر واجب قرار دیا تھا بلکہ

پروردگار عالم نے حضرت خضرؑ کی عمر کو اس لئے طولانی فرمایا کہ اس نے ارادہ فرمایا تھا کہ حضرت قائم (عج) کی عمر شریف کو ان کی غیبت کے دوران کافی طولانی فرمائے اور جانتا تھا کہ اس کے بندے ان کی طولانی عمر پر اعتراض کریں گے، اسی لئے اپنے اس بندہ صالح (خضر) کی عمر کو طولانی فرمایا کہ اس استدلال سے حضرت قائم (عج) کی عمر ان کی عمر سے تشبیہ کی جائے اور اس طرح دشمنوں اور بدخواہوں کے اشکال و اعتراضات باطل اور مسترد کئے جائیں[4]

بیشک وہ (حضرت خضر) زندہ ہیں اور اس وقت ان کی عمر چھ ہزار سال سے زیادہ ہے[5]

حضرت خضر علیہ السلام کی زندگی اور ان کا بحر ظلمات میں جانا اور وہاں پر آب حیات پینا، من جملہ ایسے مسائل ہیں جن کے بارے میں تاریخ اور احادیث کی کتابوں میں مفصل بحث ہوئی ہے اور آپ اس سلسلہ میں حدیث کی مفصل کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں[6]

سرزمین غدیر پر عید غدیر کے دن، رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کی سوگواری کی تقریب میں اور حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کے موقع پر آپؑ کی سوگواری کی تقریب پر حضرت خضر علیہ السلام کی شرکت کے بارے میں حدیث کی کتابوں میں تفصیلی ذکر آیا ہے

حضرت امام رضا علیہ السلام نے فرمایا: حضرت خضرؑ نے آب حیات کو پی لیا، وہ زندہ ہیں اور صور کے پھونکے جانیں تک دنیا سے نہیں جائیں گے، وہ ہمارے پاس آتے ہیں اور ہم پر سلام کرتے ہیں، ہم ان کی آواز سنتے ہیں اور خود ان کو بھی دیکھتے ہیں، [7] وہ حج کے مراسم میں شرکت کرتے ہیں اور تمام مناسک کو بجالاتے ہیں، عرفہ کے دن سرزمین عرفات میں ٹھہرتے ہیں اور مومنین کی دعا کے لئے آمین کہتے ہیں خداوندمتعال ان کے ذریعہ غیبت کے زمانے میں ہمارے قائم (عج) کی غریب الوطنی کو دور کرتا ہے اور ان کے ذریعہ وحشت کو انس

ومحبت میں تبدیل کرتا ہے [8]

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام ان تیس افراد میں شامل ہیں جو ہمیشہ حضرت بقیۃ اللہ (عج) کے ہمراہ ہوتے ہیں اور حضرت (عج) کے فرمان سے امور کے نظم وانتظام کو سنبھالے ہوئے ہیں [9]

حضرت خضر قرآن مجید کی روشنی میں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس الٰہی عالم [10] کے ہمراہ چلے، یہاں تک کہ کشتی میں سوار ہوگئے، اس عالم نے کشتی میں سوراخ کیا! چونکہ ایک طرف سے حضرت موسیٰؑ خدا کے اولوالعظم پیغمبر تھے اس لئے اسے لوگوں کے مال جان کی حفاظت کرنی چاہئے تھی، اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنا چاہئے تھا اور دوسری جانب سے انسانی ضمیر انہیں اجازت نہیں دیتا تھا کہ اس قسم کے کام کے مقابلے میں خاموش تماشائی بن بیٹھیں، اس لئے انہوں نے زبان کھولی اور اعتراض کیا اور کہا: کیا آپ نے کشتی کو اس لئے سوراخ کیا تا کہ اس میں سوار لوگوں کو غرق کردو گے؟ بیشک آپ نے ایک برا کام انجام دیا ہے

بیشک بندہ صالح مقصد کشتی میں سوار لوگوں کو غرق کرنا نہیں تھا، لیکن چونکہ اس کام کا نتیجہ ان کے غرق ہونے کے علاوہ کچھ اور نظر نہیں آتا تھا، اس لئے موسیٰؑ نے اسے لام غایت جو مقصد بیان کرنے کے لئے ہوتا ہے، کے ذریعہ بیان کیا ہے

بعض روایتوں میں ملتا ہے کہ کشتی میں سوار لوگ خطرہ کے بارے میں متوجہ ہوئے اور کسی چیز سے عارضی طور پر سوراخ کو بند کیا، لیکن اب وہ کشتی ایک سالم کشتی نہیں رہی تھی

یہاں پر عالم ربانی اور بندہ صالح (حضرت خضر) نے ایک خاص سنجیدگی کے ساتھ حضرت موسیٰؑ پر نظر ڈالی اور کہا: کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ (چلنے میں) ہرگز صبر نہیں کرسکو گے؟!

حضرت موسیٰؑ نے جو جلد بازی کی تھی، وہ حادثہ کی اہمیت کے پیش نظر تھی، فوراً انہیں اپنا وعدہ یاد آیا اور پشیمان ہوئے اور معافی مانگتے ہوئے استاد سے مخاطب ہوکر یوں کہا: مجھے اپنی فراموشی پر مواخذہ نہ کرنا اور اس کام کے لئے مجھ پر سختی نہ کرنا یعنی ایک غلطی ہوئی، جو بھی تھا وہ گزر گیا اور آپ اپنی بزرگی کے پیش نظر اس سے چشم پوشی کرنا

ان کا دریائی سفر تمام ہوا اور وہ کشتی سے اترے اور اپنے راستہ پر گامزن ہوئے، راستہ میں ایک نوجوان کو دیکھا، حضرت خضرؑ نے بلاتمہید اس نوجوان کو قتل کر ڈالا!

یہاں پر حضرت موسیٰؑ نے پھر سے کہا: کیا آپ نے ایک بے گناہ اور پاک انسان کو قتل کر ڈالا، بدون اس کے کہ اس نے کوئی قتل کیا ہو؟ آپ نے بیشک ایک برا کام انجام دیا ہے؟

یہاں پر اس مرد عالم نے ٹھنڈے دل سے وہی اپنا سابقہ جملہ دہرایا اور کہا: میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ صبر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو

موسیٰؑ کو اپنا وعدہ یاد آیا، پھر اس نے پشیمانی کا اظہار کیا، کیونکہ اس نے دو بار پیمان شکنی کی تھی، اگرچہ فراموشی کی وجہ سے، اب وہ رفتہ رفتہ احساس کر رہے تھے کہ ممکن ہے استاد کی بات سچ ہو اور اس کے کام موسیٰؑ کے لئے ابتدا میں ناقابل برداشت تھے، اس لئے دوبارہ عذرخواہی کرتے ہوئے یوں بولے:

اس دفعہ بھی مجھ سے چشم پوشی کرنا، اور میری فراموشی کو نذر انداز کرنا، لیکن اگر اس کے بعد بھی میں نے آپ کے کاموں کے بارے میں وضاحت چاہی (اور آپ پر اعتراض کیا) تو میرے ساتھ مصاحبت نہ کرنا کیونکہ آپ اس وقت میری طرف سے معذور ہوں گے

اس گفتگو اور دوبارہ تعہد کے بعد موسیٰؑ اپنے استاد کے ہمراہ آگے بڑھے، یہاں تک کہ ایک گاؤں میں پہنچے اور اس گاؤں کے باشندوں سے کھانا مانگا، لیکن انہوں نے ان دو

مسافروں کومہمان بنانے سے انکار کیا بیشک حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ ایسے نہیں تھے کہ اس گاؤں کے لوگوں پر بوجھ بن جاتے، معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے سفر کے دوران اپنا زادراہ کھودیا تھا یا ختم ہو چکا تھا، اس لئے اس گاؤں کے باشندوں کے مہمان بن جانا چاہتے تھے (یہ بھی ممکن ہے کہ اس بندہ صالح نے عمداً ان لوگوں سے یہ درخواست کی ہوتی کہ موسیٰؑ کو ایک نیا درس سکھائیں)

اس کے بعد قرآن مجید اضافہ کرتا ہے: بہر حال انہوں نے اس آبادی میں ایک دیوار کو پایا، جو گرنے کے قریب تھی، اس بندہ صالح نے اس دیوار کو گرنے سے بچایا اور منہدم ہونے میں رکاوٹ بنا

حضرت موسی چونکہ اس وقت کافی تھکے اور بھوکے تھے، اور سب سے اہم یہ کہ احساس کررہے تھے کہ ان کی اور ان کے استاد کی عظیم شخصیت گاؤں والوں کے ناشائستہ برتاؤ کی وجہ سے مجروح ہو چکی تھی، اور دوسری جانب سے مشاہدہ کر رہے تھے کہ حضرت خضرؑ اس بے احترامی کے بدلے میں گرنے والی دیوار کی مرمت کرنے لگے، جیسا کہ ان گاوں والوں کی برائی کا اجر دینا چاہتے ہیں اور (حضرت موسیٰؑ) خیال کرتے تھے کہ استاد اس کام کو کم از کم ایسی اجرت کے مقابلے میں انجام دیتے جس کے نتیجہ میں ان کو کھانا ملتا

اس لئے (حضرت موسیٰ) ایک بار پھر اپنے وعدہ کو بالکل بھول گئے اور اعتراض کی زبان کھولی، لیکن پہلے کی بہ نسبت نرم اور ملائم اعتراض کرتے ہوئے بولے:

کیا اس کام کے بدلے میں کوئی اجرت لینا چاہتے ہو

یہاں پر اس بندہ صالح نے اپنی آخری بات حضرت موسیٰؑ سے کہہ دہ، کیونکہ گزشتہ مجموعہ حوادث سے یقین کر چکے تھے کہ موسیٰؑ ان کے کام کے مقابلے میں صبر نہیں کر سکتے ہیں اور فرمایا: اب آپ کی اور میری جدائی کا وقت آ گیا ہے ! لیکن وہ اسرار میں تجھے جلدی

بتادوں گا، جن پر آپ صبر نہ کر سکے

اس قسم کے رہبر سے جدا ہونا کافی دردناک تھا، لیکن ایک تلخ حقیقت تھی کہ بہرحال حضرت موسیٰؑ کو اسے قبول کرنا چاہئیے تھا

معروف مفسر ابوالفتح رازی کہتے ہیں کہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے پوچھا گیا: اپنی زندگی کی مشکلات میں سے سخت ترین مشکل کو بیان کیجئے، انہوں نے جواب میں فرمایا: میں نے بہت سی سختیاں دیکھی ہیں (فرعون کے دوران مشکلات اور بنی اسرائیل کی حکومت کے دوران سختیوں کی طرف اشارہ ہے) لیکن ان میں سے کوئی مشکل اس کے مانند نہیں تھی، جب مجھے خضرؑ نے فراق وجدائی کی خبر دیدی اور میرے دل پر اس کا اثر پڑا [11]!

موسیٰؑ اور خضر کی جدائی یقینی بننے کے بعد، ضروری تھا کہ یہ استاد الٰہی ان اسرار کو بیان کریں، جن کے مقابل میں حضرت موسیٰؑ صبر نہ کر سکے تھے، اور حقیقت میں، حضرت موسیٰؑ کی ان کے ساتھ مصاحبت کا فائدہ، ان تین عجیب حوادث کے اسرار کو سمجھنا تھا، جو بہت سے مسائل کی کلید اور بہت سے سوالات کا جواب ہو سکتے تھے

ان حوادث کے باطنی اسرار:

حضرت خضرؑ نے پہلے کشتی کی داستان سے شروع کرتے ہوئے کہا: لیکن وہ کشتی چند مساکین سے متعلق تھی، جو اس کے ذریعہ دریا میں کام کرتے تھے، میں اسے ناقص بنانا چاہتا تھا کیونکہ جانتا تھا کہ اس کے پیچھے ایک ظالم بادشاہ کا ہاتھ تھا جو ہر سالم کشتی کو زبردستی غصب کرتا تھا

اس طرح کشتی میں سوراخ کرنے کے بظاہر برے کام کے پیچھے ایک اہم مقصد تھا اور وہ ظالم بادشاہ کے توسط سے اسے غصب کرنے سے بچانا تھا، کیونکہ وہ ناقص کشتیوں کو

اپنے کام کے مناسب نہیں سمجھتا تھا اور ان کو غصب کرنے سے چشم پوشی کرتا تھا،مختصر یہ کہ یہ کام مسکینوں کے ایک گروہ کے منافع کو بچانے کے لئے تھا اور اسے انجام پانا چاہئے تھا

اس کے بعد دوسرے حادثہ یعنی نوجوان کو قتل کرنے کے سلسلہ میں یوں کہا: لیکن اس نوجوان کے ماں باپ با ایمان تھے، اور ہم نے نہیں چاہا کہ یہ نوجوان اپنے ماں باپ کو ایمان کی راہ سے باہر لاکر کفر وطغیان سے دوچار کرے

اس مرد عالم نے اس نوجوان کو قتل کرنے کا اقدام کیا اور اس کے زندہ رہنے کی صورت میں مستقبل میں اس کے با ایمان والدین کو ایمان کو ہاتھ سے دینے کے ناگوار حادثہ پیش آنے کو بچانے کا سبب بنا

ہم مختلف اسلامی منابع میں درج متقددا حادیث میں پڑھتے ہیں:

خداوند متعال نے اس فرزند کے بدلے میں اس کے والدین کو ایک ایسی بیٹی عطا کی کہ جس کی نسل سے ستر انبیا پیدا ہوئے [12]

اس بحث سے مربوط آخری آیت میں، بندہ صالح اپنے تیسرے کام یعنی دیوار کو مرمت کرنے کے راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے یوں کہتا ہے: اماں، وہ دیوار اس شہر کے دو یتیم نوجوانوں کی تھی، اور اس کے نیچے ان سے متعلق ایک خزانہ تھا اور ان کا باپ ایک صالح شخص تھا آپ کا پروردگار چاہتا تھا وہ بالغ ہو جائیں اور اپنے خزانہ کو استخراج کریں یہ آپ کے پروردگار کی ایک رحمت تھی اور میں ان دو یتیموں کے والدین کی نیکی کی وجہ سے اس دیوار کی مرمت کرنے پر مامور تھا، تاکہ گرنے کی صورت میں خزانہ ظاہر ہوسکتا تھا اور خطر لاحق ہوتا

آخر پر حضرت موسیٰؑ کے ذہن سے ہر قسم کے شک وشبہ کو دور کرنے کے لئے اور اس لئے کہ یقین کے ساتھ جان لے کہ یہ کام ایک نقشہ اور خاص ماموریت کے مطابق تھا، اضافہ کرتے ہوئے کہا: اور میں نے اس کام کو اپنے حکم سے انجام نہیں دیا ہے بلکہ خداوند

متعال کا حکم تھا

جی ہاں یہ تھا ان کاموں کا راز جن پر صبر وتحمل کرنے کی آپ میں طاقت نہیں تھی

جعلی افسانے:

حضرت موسیٰ اور حضرت خضرؑ کی داستان کی بنیاد یہی ہے جو قرآن مجید میں آئی ہے لیکن افسوس کہ اس کے بارے میں بہت سے افسانے جاری کئے گئے ہیں، کہ بعض اوقات ان افسانوں کو اس داستان سے جوڑنے کے نتیجہ میں یہ داستان ایک خرافاتی صورت میں بدل جاتی ہے! جاننا چاہئے کہ یہ صرف ایک ہی داستان نہیں ہے جو ایسے حادثہ سے دوچار ہوئی ہے، بلکہ دوسری حقیقی داستانیں بھی ہیں جو اس حادثہ سے نہ بچ سکی ہیں

حقیقت کو ادراک کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیات کو معیار قرار دینا چاہئے [13] اور حتی احادیث کو بھی اس صورت میں قبول کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید کے موافق ہو، اگر کوئی حدیث اس کے موافق نہ ہو تو قطعاً قابل قبول نہیں ہے [14]

حضرت خضر علیہ السلام کی داستان کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لئے درج ذیل تفاسیر اور کتابوں کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے:

1 مجمع البیان، جلد 6، سورہ کہف کی آیت نمبر 65 سے 81 کے ذیل ہیں

2 نور الثقلین جلد 3، مذکورہ آیات کے ذیل ہیں

3 المیزان جلد 13، مذکورہ آیات کے ذیل ہیں

4 درالمنثور اور ان آیات کے سلسلہ میں دوسری کتابیں.

حواشی

[1] کہف، 8265

[2] ملاحظہ ہو، ترجمہ المیزان، ج 13، ص 584.

[3] ایضاً

[4] کمال الدین، ج3،ص357: بحارالانوار، ج51،ص222

[5] یوم الخلاص،ص157.

[6] بحارالانوار، ج12،ص215172، ج13،ص322278

[7] البتہ ایسی روایتیں پائی جاتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے ائمہ اطہار حضرت خضر کو دیکھتے تھے من جملہ: لما قبض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جاء الخضر فوقف علی باب البیت و فیہ علی و فاطمہ والحسن والحسینؑ کمال الدین، ج2 ص390: بحارالانوار، ج13 ص299.

[8] کمال الدین، ج2،ص390 بحارالانوار، ج13،ص299

[9] غیبۃ نعمانی،ص99 بحارالانوار، ج52،ص158.

[10] اس بحث میں جہاں پر مرد عالمی الٰہی یا مرد عالم کی بات کی گئی ہے اس سے مراد حضرت خضر ہیں

[11] تفسیر ابوالفتوح رازی ذیل آیہ مورد بحث.

[12] نور الثقلین، ج3،ص286و287.

[13] کہف، 8265

[14] تفسیر نمونہ، ج12،ص486، کے بعد: المیز ان فی تفسیر القران، ج13،مورد بحث آیات کے ذیل ہیں۔

کیا قرآن مجید کی بعض آیات پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم عصمت کی دلیل پیش کرتی ہیں؟

سورہ توبہ کی آیت نمبر ۴۳ میں ارشاد ہوا ہے: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ اور سورہ تحریم کی آیت نمبر ۱ میں ارشاد ہوا ہے: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱﴾ مہربانی کر کے مذکورہ دو آیتوں کی تفسیر بیان فرمایئے، کیونکہ ان دو آیتوں کے پیش نظر وہابی کہتے ہیں کہ پیغمبر اکرم (ص) معصوم نہیں ہیں اور صرف تبلیغ و رسالت میں معصوم ہیں، ان کے بقول پہلی آیت دلالت کرتی ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں اور دوسری آیت دلالت کرتی ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) اپنی بیویوں کی اطاعت کرتے تھے اور اسی وجہ سے آپ (ص) نے خدا کے حلال کو حرام قرار دیا۔

مختصر جواب

سورہ توبہ کی آیت نمبر ۴۳ کے بارے میں، تفصیلی جواب میں بیان کے گئے عناوین کا مطالعہ فرمایئے:

سورہ تحریم کی پہلی آیت میں، تحریم سے مراد، شرعی تحریم نہیں ہے، کیونکہ جملہ لِمَ تُحَرِّمُ (اپنے آپ پر کیوں حرام کرتے ہو؟) عتاب اور سرزنش کے عنوان سے نہیں ہے، بلکہ

یہ پیغمبر اکرم (ص) کے بارے میں ایک قسم کی ہمدردی اور شفقت ہے کہ آپ (ص) اپنی قسم کی پابندی کر کے کیوں اپنے آپ کو نعمت اور امر حلال سے محروم کرتے ہیں اور اپنی بیوی کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ آپ (ص) اپنے آپ کو بعض حلال و جائز چیزوں سے محروم کر دیں گے اور اس سلسلہ میں سخت برتاؤ کریں گے۔ بالکل اس مثال کے مانند کہ کوئی شخص اپنی درآمد بڑھانے میں کافی محنت کرتا ہے اور خود اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھاتا ہے اور ہم اس شخص سے کہتے ہیں کہ آپ کیوں اپنے آپ کو اس قدر تکلیف میں ڈالتے ہیں اور اس تکلیف کے نتیجہ سے استفادہ نہیں کرتے ہیں؟

تفصیلی جوابات

سورہ تحریم کی شان نزول اور تفسیر:

پیغمبر؛ آپؐ اس شئے کو کیوں ترک کر رہے ہیں، جس کو خدا نے آپ کے لئے حلال کیا ہے، کیا آپ ازواج کی مرضی کے خواہشمند ہیں اور اللہ بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ [1]

مذکورہ آیہ شریفہ کی شان نزول کے بارے میں مشہور اور مناسب نقل یہ ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کبھی اپنی بیوی زینب بنت جحش کے ہاں جاتے تھے، زینب آپ (ص) کو روکتی تھیں اور آپ (ص) کے لئے تیار کیا ہوا شہد آپ (ص) کی خدمت میں پیش کرتی تھیں۔ یہ بات عائشہ تک پہنچی اور وہ ناراض ہوگئیں۔ عائشہ کہتی ہیں: میں نے حفصہ (پیغمبر (ص) کی ایک اور بیوی کے ساتھ طے کیا، کہ جب بھی پیغمبر (ص) ہمارے نزدیک تشریف لائیں، تو ہم فوراً کہیں کہ کیا آپ (ص) نے صمغ [2] (گوند) مغافیر کھایا ہے؟؛ (مغافیر ایک مایع تھا جو حجاز کے عرفط نامی ایک درخت سے نکلتا تھا اور اس سے ایک نامناسب بو آتی تھی) اور پیغمبر اکرم (ص) کے لباس اور دہان مبارک سے کبھی نامناسب بو

نہیں آتی تھی بلکہ اس کے برعکس آپ (ص) ہمیشہ خوشبو اور عطر استعمال کرتے تھے۔ اس طرح ایک دن پیغمبر اکرم (ص) حفصہ کے پاس گئے، حفصہ نے پیغمبر (ص) سے یہ بات کہہ دی، آنحضرت (ص) نے فرمایا: میں نے مغافیر نہیں کھایا ہے، بلکہ میں نے زینب کے پاس شہد پی لیا ہے اور میں قسم کھاتا ہوں کہ اب اس شہد کو کبھی نہیں پیوں گا (کیونکہ ممکن تھا شہد کی مکھی کسی نامناسب گھاس کھا کر مغافیر پر بیٹھی ہو) لیکن یہ بات کسی کو نہ کہنا تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ بات لوگوں تک پہنچے اور لوگ یہ کہیں کہ پیغمبر (ص) نے کیوں حلال غذا کو اپنے لئے حرام قرار دیا ہے؟ یا اس سلسلہ میں اس کے مشابہ امور میں پیغمبر (ص) کی متابعت کریں، یا یہ بات زینب تک پہنچ جائے اور وہ ناراض ہو جائے)۔

لیکن سرانجام اس نے اس راز کو فاش کیا اور بعد میں معلوم ہوا کہ درحقیقت یہ قضیہ ایک سازش تھی۔ پیغمبر اکرم (ص) سخت ناراض ہو گئے اور مذکوہ آیتیں نازل ہوئیں اور اس مسئلہ کو ایسے خاتمہ بخشا کہ آنحضرت (ص) کے گھر کے اندر ایسا مسئلہ دہرایا نہ جائے [3]۔

بیشک پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیسی عظیم شخصیت، صرف اپنی ذات تک سے متعلق نہیں ہوتی ہے، بلکہ تمام اسلامی معاشرہ بلکہ عالم انسانیت سے متعلق ہوتی ہے، اس لئے اگر گھر کے اندر آپ (ص) کے خلاف کوئی سازش کی جائے اور وہ سازش بظاہر معمولی اور چھوٹی ہی کیوں نہ ہو تو اس کے بارے میں آسانی کے ساتھ چشم پوشی نہیں کی جانی چاہئے، اور ان کی حیثیت کو کھلونا نہیں بنانا چاہئے اور اگر اس قسم کا کوئی پروگرام پیش آئے تو اس کے ساتھ ڈٹ کر مقابلہ کیا جانا چاہئے۔

حقیقت میں، مذکورہ آیت اس قسم کے حادثہ کے مقابلے میں پیغمبر اکرم (ص) کی حیثیت کے تحفظ کے لئے قطعی اقدام ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیہ شریفہ میں تحریم، شرعی تحریم نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ بعد والی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم (ص) کی

طرف سے کھائی گئی قسم ایک ایسی قسم ہے کہ بعض مباحات کو ترک کرنے کے لئے قسم کھانا گناہ نہیں ہے۔ اس بنا پر جملہ لِمَ تُحَرِّمُ (اپنے آپ پر کیوں حرام کرتے ہو؟) عتاب اور سرزنش کے عنوان سے نہیں ہے، بلکہ یہ پیغمبر اکرم(ص) کے بارے میں ایک قسم کی ہمدردی اور شفقت ہے کہ آپ(ص) اپنی قسم کی پابندی کر کے کیوں اپنے آپ کو نعمت اور امر حلال سے محروم کرتے ہیں اور اپنی بیوی کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ آپ(ص) اپنے آپ کو بعض حلال و جائز چیزوں سے محروم کر دیں گے اور اس سلسلہ میں سخت برتاو کریں گے۔ بالکل اس مثال کے مانند کہ کوئی شخص اپنی درآمد بڑھانے میں کافی محنت کرتا ہے اور خود اس سے کوئی خاص فائدہ نہیں اٹھاتا ہے اور ہم اس شخص سے کہتے ہیں کہ آپ کیوں اپنے آپ کو اس قدر تکلیف میں ڈالتے ہیں اور اس تکلیف کے نتیجہ سے استفادہ نہیں کرتے ہیں؟

اس کے بعد آیہ شریفہ کے آخر میں پیغمبر اکرم(ص) کی ان بیویوں کے بارے میں عفو و رحمت ہے، جنہوں نے اس حادثہ کے اسباب فراہم کیے تھے، کہ اگر حقیقی معنوں میں توبہ کریں، تو اس میں شامل ہوں گی یا اس کی طرف اشارہ ہے کہ اولیٰ یہ تھا کہ پیغمبر اکرم(ص) ایسی قسم نہ کھاتے، جس کی وجہ سے آنحضرت(ص) کی بعض بیویوں میں اس قسم کی جرائت اور جسارت پیدا ہونے کا سبب بن جاتا[4]۔

حواشی

[1].1، تحریم

[2]. وہ مایع جو درخت سے بہتا ہے اور اس کی شاخوں پر خشک ہوتا ہے (ملاحظہ ہو: ابن منظور، محمد بن مکرم، لسان العرب، ج8، ص441، دار صادر، بیروت، طبع سوم، 1414ھ؛ مہیار، رضا، فرہنگ ابجدی فارسی - عربی، ص559، بی تا، بی جا)۔

[3]. البغوی (محیی السنۃ)، أبومحمد الحسین بن مسعود، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن (تفسیر البغوی)، ج5،

ص 116، دار طیبۃ للنشر والتوزیع، طبع چہارم، 1417ق؛ الأنصاری الخزرجی (شمس الدین قرطبی)، أبو عبداللہ محمد بن أحمد، الجامع لأحکام القرآن (تفسیر القرطبی)، ج 18، ص 177، دار الکتب المصریۃ، القاہرۃ، طبع دوم، 1384ق؛ فخر الدین رازی، ابوعبداللہ محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، ج 30، ص 568، دار احیاء التراث العربی، بیروت، طبع سوم، 1420ق؛ صحیح بخاری، ج 6، ص 194 بہ نقل از: مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، ج 24، ص 271 و 272، دار الکتب ال إسلامیۃ، تہران، طبع اول، 1374 ہ ش. ضمناً جو وضاحتیں قوسین کے انر ذکر کی گئی ہیں، ان کے بارے میں دوسری کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔.

[4]. تفسیر نمونہ، ج 24، ص 272 و 273؛ طباطبایی، سید محمد حسین، المیز ان فی تفسیر القرآن، ج 19، ص 330، دفتر انتشارات اسلامی، قم، طبع پنجم، 1417ھ.

کیا سورہ توبہ کی ٤٣ ویں آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ کی گئی ہے؟

سوال کی وضاحت:

قرآن سورہ توبہ میں فرماتا ہے:

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ (١)

(اے رسولؐ) خدا تم سے درگزر فرمائے تم نے انہیں (پیچھے رہ جانے کی) اجازت ہی کیوں دی تا کہ (تم اگر ایسا نہ کرتے تو) تم پر سچ بولنے والے (الگ) ظاہر ہوجاتے اور تم جھوٹوں کو (الگ) معلوم کر لیتے۔

یہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو جنگ تبوک میں شرکت کرنا نہیں چاہتے تھے وہ لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اور بہانہ بنا کر جنگ میں شرکت نہ کرنے کی اجازت مانگی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کو پہنچانتے تھے اور ان کی ضعیف ایمان اور عقیدہ سے بھی باخبر تھے لہذا شہر میں رکنے کی اجازت دیدی۔

خداوند عالم نے اس آیت میں پیغمبر کی سرزنش کی اور فرمایا: خدا نے تمہیں بخش دیا تم نے انہیں کیوں اجازت دی کہ میدان جنگ میں شرکت نہ کریں؟

عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ﴿۴۳﴾

آپ نے اتنی مہلت نہ دی تا کہ پہچان لیا جائے کہ ان میں سے کون سچا اور کون جھوٹا ہے اور ان کی حقیقت کا پتہ لگ جائے۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ﴿۴۳﴾

بعض لوگوں نے دعویٰ کیا ہے کہ یہ سرزنش اور عفو پروردگار اس بات پر دلیل ہے کہ (نعوذ باللہ) پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اجازت دینا ایک خلاف امر تھا اور یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کے مناسب نہیں ہے۔

زمخشری نے تفسیر کشاف میں کہا ہے:

خداوند عالم نے اس آیت میں پیغمبر کے کام کو عیب جانا اور اس کام سے ناراضی کا اظہار کیا ہے اور اس بات کی حکایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گناہ ہوا ہے جو عفو و بخشش کا محتاج ہے۔(۲)

جواب:

یہ آیت دو طرح سے قابل بیان ہے:

۱۔ یقینا اس آیت میں کوئی بھی ایسی دلیل موجود نہیں ہے جو یہ ثابت کر دے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی گناہ اور خلاف شرع کام انجام پایا ہے۔ یہاں کے آیت کے ظاہر میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جو گناہ کے معنی میں ہو کیونکہ تمام قرینے اس بات کی علامت ہیں کہ پیغمبر یقینی طور پر جانتے تھے کہ اگر انہیں اجازت نہ دیں اور ان کی درخواست کو قبول نہ کریں پھر بھی یہ جنگ میں شریک نہ ہوں گے اس کے علاوہ اس سورہ میں بعد والی آیت میں ہے کہ خود خداوند عالم بھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ لوگ جنگ میں شریک ہوں۔ کیونکہ ان کے شریک

ہونے کی وجہ سے تمام مجاہدوں کی شجاعت ضعیف ہوجاتی، خداوند عالم فرماتا ہے:

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ﴿۴۷﴾ (۳)

اگر یہ لوگ تم میں مل کر نکلتے بھی تو بس تم میں فساد ہی کو برپا کر دیتے اور تمہارے حق میں فتنہ انگیزی کی غرض سے تمہارے درمیان (اِدھر اُدھر) گھوڑے دوڑاتے پھرتے اور تم میں سے ان کے جاسوس بھی ہیں (جو تمہاری خبر اُن سے بیان کرتے ہیں)۔ اور خدا شریروں سے خوب واقف ہے۔

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں:

وہ تمام مصلحت وفساد جو پیغمبر کی سیاست سے مربوط اگر اس پر غور کیا جائے تو ان سے یہ مناسب کام ممکن تھا۔(۴)

اور مسلمانوں کی کوئی بھی مصلحت اس حکم دینے کی وجہ سے فوت نہیں ہوئی اور اگر پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اجازت نہ دیتے تو ان کی منافقت کا چہرہ بہت جلد ہی آشکار ہوجاتا۔ اور لوگ بہت جلد ہی منافقوں کو پہچان لیتے۔ لہٰذا پیغمبر نے کوئی گناہ نہیں کیا اور کسی بھی طرح کا تعارض پیغمبر کی عصمت سے پیدا نہیں ہوتا۔

۲۔ خداوند عالم نے اس آیت میں فتنہ پروروں کی کنایۃً اور لطیف بیان کے ساتھ توصیف کی ہے۔ یعنی اے پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر آپ اجازت نہ دیتے تو ان کے چہرے سے منافقت کا نقاب بہت جلد ہی اتر جاتا۔ حقیقت میں جملہ عفی اللہ عنک لطف خدا کا کنایہ ہے جس طرح رحمک اللہ اور ساعدک اللہ ہے اسی طرح فارسی میں اس سے مشابہ جملہ کہتے ہیں خدا تمہیں خیر دے تم نے دیکھا کہ کیا کیا ہے؟ جو محبت وشفقت اور اظہار ہمدردی کی بنیاد پر کہا جاتا ہے مثلاً جب متوکل عباسی نے ایک شاعر کو جلا وطن کرنے کا حکم دیتا ہے تو وہ شاعر اس

سے کہتا ہے:

عفا الله عنك الا تعود بعفوك ان ابعدا

خدا کا لطف وکرم تمہارے شامل حال ہوا اگر تیرا عفو ہم سے دور ہو گیا تو میرے اور تمہارے درمیان کوئی پاس ولحاظ باقی نہیں ہے کہ واپس کر دے۔(۵)

۳۔ واضح ہے کہ شاعر کا یہ ارادہ نہیں ہے کہ اس جملہ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ سے متوکل کے لئے گناہ ثابت کرے۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو متوکل زیادہ ناراض ہو جاتا۔

٤۔ حضرت امام رضا علیہ السلام مامون کو اس آیت عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ کے بارے میں جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: یہ آیت اس مشہور ومعروف محاورہ ایاك اعنی و اسمعی یا جارہ (یہ محاورہ ہے جو کنایہ کے طور پر آتا ہے اور اس میں ایک شخص کو مد نظر رکھ کر دوسرے معنی کو مراد لیا ہے) کی طرح ہے کہ خداوند عالم پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب کر کے حقیقت میں اس کی امت کو مراد لیا ہے قرآن مجید میں اس آیت سے پہلے بھی آیت نازل ہوئی ہے۔ مثلاً

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٦٥﴾ (٦)

اگر (کہیں) شرک کیا تو یقیناً تمہارے سارے عمل اکارت ہوجائیں گے اور تم ضرور گھاٹے میں آجاؤ گے۔(۷)

لہٰذا جملہ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ خداوند عالم کا بہترین لطف ورحمت پیغمبر کے لئے ظاہر کرتا ہے نہ کہ گناہ ثابت کرتا ہے۔

نتیجہ:

یہ آیت کسی بھی صورت میں گناہ وفوت مصلحت کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف نسبت نہیں دیتی جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خدا کا بے شمار لطف وکرم ہے جملہ عفا اللہ عنک کے ذریعہ خدا نے

چاہا ہے کہ پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بے شمار اپنی الفت ومحبت کو بیان کرے۔ لہٰذا یہ آیت پیغمبرصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کے منافی نہیں ہے۔

حواشی:

(۱)سورۂ توبہ،آیت ٤٣

(۲)الکشاف، ج۲،ص٢٤٧

(۳)سورۂ توبہ،آیت ٤٧

(۴)تفسیر المیزان، ج۹،ص٢٨٥

(۵)تفسیر فخر رازی، ج١٦،ص٧٤

(٦)سورۂ زمر،آیت ٦٥

(٧)یوسف عزیزی، داستان پیامبران یا قصہ ہای قرآن از آدم تا خاتم،تہران ، انتشارات ہاد، پہلا ایڈیشن،۱۳۸۰،ص٤٩

فتنہ دجال کی حقیقت کیا ہے؟

اہل سنت کی حدیثوں میں دجال کے خروج کو بھی حضرت مہدی (عج) کی علامتوں میں شمار کیا جاتا ہے جبکہ شیعہ کتب میں یہ موضوع موجود نہیں ہے اور نہ آیمہ اہل بیت (ع) نے اس پر گفتگو فرمایی، اہل سنت کی کتب میں اس پر بہت بحث ہوی اور اسے قیامت سے پہلے بہت بڑا واقعہ قرار دیا گیا ہے، بعض محققین کے مطابق چونکہ احادیث نبوی میں امام مہدی (عج) کے ظہور کو قیامت سے پہلے بہت بڑا تاریخی واقعہ قرار دیا گیا تھا تو بنی امیہ کے زمانہ میں اس موضوع کو اختراع کیا گیا تا کہ امام مہدی اور اہل بیت کی عظمت سے لوگوں کی توجہ ہٹایی جایے، اہل سنت کی کتب میں اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ کافر ہے اس کی پیشانی کے درمیان ستارہ کی طرح چمکتی ہوئی ایک آنکھ ہے جس پر، ک، ر، ف لکھا ہوا ہے ، اس طرح کہ پڑھے لکھے اوران پڑھ سب اسے پڑھ سکیں گے، کھانے کا پہاڑ اور پانی کی نہر ہمیشہ اس کے ساتھ ہوگی ، سفید خچر پر سوار ہوگا، ہر ایک قدم میں ایک میل کا راستہ طے کرے گا ، اس کے حکم سے سے آسمان بارش برسائے گا، زمین گلہ اگائے گی، زمین کے خزانے اس کے اختیار میں ہوں گے، مردوں کو زندہ کرے گا۔ میں تمہارا عظیم خدا ہوں ، میں نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے اور میں ہی روزی دیتا ہوں ، میری طرف دوڑو، اور یہ جملہ اتنی بلند آواز میں کہے گا ک سارا جہان سنے گا۔

کہتے ہیں رسول اللہ کے زمانے میں بھی نکلا تھا، اس کا نام عبداللہ یا صاید بن صاید تھا رسول اکرم اورآپ کے اصحاب اسے دیکھنے اس کے گھر گئے تھے، وہ اپنی خدائی کا دعویٰ کرتا تھا، حضرت عمر اسے قتل کرنا چاہتے تھے، لیکن پیغمبر اکرم نے منع کر دیا تھا، ابھی تک زندہ ہے اورآخری زمانے میں اصفہان کے مضافات میں یہودیوں کے گاوں" یہودیہ" سے خروج کرے گا۔(۔صحیح مسلم، ج ۴،ص ۲۲۴۰، ۱۴۲۲، کتاب الفتن واشراط۔الساعۃ، باب ذکر ابن صیاد؛سنن ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی علامات خروج دجال)

دجال کا معنی:

دجال سے متعلق احادیث نقل کرنے سے پہلے دجال کے معنی ملاحظہ ہوں۔شاہ ولی اللہ محدث دہلوی" العقیدۃ الحسنہ" میں لکھتے ہیں یہ لفظ" دجل" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں، مکروفریب اورحق وباطل میں خلط وتلبس، اور ان معنی کا دجال میں پایا جانا بالکل ظاہر ہے ۔(۔العقیدۃ الحسنہ،ص ۸۰۲)

احادیث:

دجال کے وجود سے متعلق اہل سنت کی کتابوں میں احادیث موجود ہیں، پیغمبر اکرم (ص) لوگوں کو دجال سے ڈراتے تھے اوراس کے فتنہ کو گوش گزار کرتے تھے، چند احادیث ملاحظہ فرمائیں:

1۔ بخاری، حدثنا یحیٰ بن سلیمان، قال: اخبرنی ابن وهب قال: حدثنی عمربن محمد، انّ اباه حدثه عن ابن عمر قال: کنّا نتحدث بحجة الوداع ثم ذکرالمسیح الدجال فاطنب فی ذکره وقال: فابعث الله من نبی الا انذر امته، انذره نوح والنبیون من بعده وانّه یخرج فیکم فما خفیٰ علیکم من شانه یخفیٰ علیکم انّ ربکم لیس باعور وانّه اعور عین

الیمنیٰ کان غنیته غنه طافیه۔ الاّ انّ الله حرّم علیکم دمائکم واموالکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا (۱)

بخاری، ہم سے یحیٰ بن سلیمان نے حدیث بیان کی، کہا مجھے ابن وہب نے خبر دی کہا مجھ سے عمرو بن محمد نے حدیث بیان کی، ان سے ان کے والد نے حدیث بیان کی اور ان سے ابن عمر نے حدیث بیان کی اور انہوں نے کہا: کہ ہم حجۃ الوداع کا ذکر کیا کرتے تھے حضور اکرم (ص) باحیات تھے، اور ہم نہیں سمجھتے تھے کہ حجۃ الوداع کا مفہوم کیا ہوگا، آنحضرت (ص) نے اللہ کی حمد کی اور مسیح دجال کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا، آپ نے فرمایا جتنے بھی انبیاء اللہ نے بھیجے ہیں، سب نے دجال سے اپنی امت کو ڈرایا ہے، نوح نے اپنی امت کو ڈرایا ہے اور دوسرے انبیاء کرام نے بھی جو آپ کے بعد مبعوث ہوئے ہیں وہ تمہیں [امت محمدی] میں سے خروج کرے گا اور خدائی کا دعویٰ کرے گا۔

2: "ابن مناوی حدثنا هارون بن علی بن الحکم قال: ثنا حماد بن الموسل ابو جعفر الفریز عن میمون بن مهران عن ابن عباس فی حدیث طویل یخرج الدجال فی یهودیة اصبهان"

ابن مناوی، ہم سے ہارون بن علی بن حکم نے حدیث بیان کی، کہا: مجھے حماد بن موسل ابوجعفر فریز نے خبر دی ان سے میمون بن مہران نے، انہوں نے عبداللہ بن عباس سے کہ انہوں نے کہا: دجال اصفہان کے مضافات سے یہودیوں کے گاوں "یہودیہ" سے خروج کرے گا۔ (۲)

3: "مقدسی عن عبدالله بن عمر قال قال رسول الله لاتقوم الساعة حتّٰی یخرج المهدی من ولدی، ولا یخرج المهدی حتّٰی یخرج ستون کذّاباً کلهم یقولون انا نبی۔"

یوسف مقدسی، عبداللہ بن عمر نے کہا کہ رسول اللہ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت برپا نہ ہوگی جب تک میری اولاد میں سے مہدی ظہور نہ کرے، اور مہدی ظہور نہیں کرے گا جب تک ساٹھ (۶۰) جھوٹے جو کہ خود کو پیغمبر سمجھتے ہوں گے ظاہر نہیں ہوں۔ (۳)

4: "عن جابر بن عبداللہ انصاری قال قال رسول اللہ: من کذبا الدجال فقد کفر ومن کذب بالمھدی فقد کفر۔"

جابر ابن عبداللہ انصاری سے منقول ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے دجال کو جھٹلایا وہ کافر ہوگیا اور جس نے مہدی کو جھٹلایا وہ بھی کافر ہوگیا۔ (۴)

نوٹ: دجال کو جھٹلانے کا مطلب اس کے خروج کے بارے میں شک وشبہ کرنا مراد ہے کہ جس کے خروج کی خبر حضور نے خود دی ہے۔

5: "قال رسول اللہ، مابین خلق آدم الیٰ قیام الساعۃ اکبر من الدّجال۔"

رسول اللہ (ص) نے فرمایا: خلقت آدم سے لے کر قیامت برپا ہونے تک کوئی بھی دجال سے زیادہ اہمیت کا حامل نہیں ہوگا۔ (۵)

6: "عن انس بن مالك رضی اللہ عنہ آن رسول اللہ قال: یتبع الدجال من یھود اصبھان سبعون الفاً علیھم الطیاسہ قال جابر: فما یخرج الدّجال حتی تفتح الروم"

انس بن مالک سے منقول ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا: اصفہان کے ستر (۷۰) ہزار یہودی دجال کی اطاعت ومدد کریں گے۔ جابر نے کہا: اس وقت تک دجال خروج نہیں کرے گا جب تک روم [یورپ اور امریکا] فتح نہ ہوجائیں۔ (۶)

7: "عن معاذ بن جبل عن النبی، قال النبی، الملحسمۃ العظمیٰ

وفتح القسطنطنية وخروج الدجال من سبعة اشهر"

معاذ بن جبل نقل کرتے ہی کہ پیغمبر اکرم (ص) نے فرمایا: جنگ جہانی ، اور قسطنطنیہ [مغرب] کی فتح اور خروج دجال سات (۷) مہینوں کے اندر اندر ہوگا۔(۷)

یہ تھیں چند احادیث دجال کے وجود اوران کے فتنے کے بارے میں، دجال سے متعلق اہل سنت کی کتب حدیث میں اتنی حدیثیں نقل ہوئی ہے اگر انہیں جمع کیا جائے تو ایک کتاب بن سکتی ہے

لیکن ہمارا مقصد ان تمام روایتوں کو جمع کرنا نہیں بلکہ یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ" دجال" کے خروج کو بھی" حضرت مہدی (عج)" کے ظہور کی علامتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا مذکورہ احادیث سے یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ دجال آخری زمانے میں خروج کرے گا، یہاں پرایک سوال ذہن میں اٹھتا ہے وہ یہ ہے کہ یہ دجال ہے کون ؟ آیا کسی خاص شخص کا نام ہے؟ اس سوال کے جواب میں بعض محققین کا کہنا ہے کہ دجال وہی شخص ہے جو خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں تھا، اس کا نام عبداللہ، یاصاید بن صاید ہے، پیغمبر اکرم اورآپ کے اصحاب اسے دیکھنے اس کے گھر گئے تھے، وہ اپنی خدائی کا دعویٰ کرتا تھا حضرت عمر اس کو قتل کرنا چاہتے تھے،لیکن پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع کر دیا تھا، ابھی تک وہ زندہ ہے اورآخری زمانے میں اصفہان کے مضافات سے یہودیوں کے گاوں سے خروج کرے گا۔

لیکن بعض محققین کا کہنا ہے کہ دجال کسی معین ومخصوص شخص کا نام نہیں ہے بلکہ عرب میں ہر جھوٹے اوردھوکے باز کو دجال کہتے ہیں، پس دجال کا معنی جھوٹے اوردھوکے باز کے ہیں۔

ہماری نظر میں یہی بات کچھ بہتر لگ رہی ہے کیونکہ اول الذکر بات بہت سے

ابہام رکھتی ہے کہ اگر وہ مدینے میں تھا آیا عام انسان کی مانند تھا یا اسی قبیح شکل میں تھا کہ جیسا کہ ظہور کرے گا؟ مسلمان تھا یا غیر مسلم؟ جناب عمر اسے کیوں قتل کرنے لگے تھے؟ اور حضرت (ص) نے کیوں روکا؟ پھر اگر وہ خدای کا دعوی کرتا تھا آپ (ص) نے اس سے بحث ومجادلہ کیوں نہیں کیا؟ پھر یہ کہ اسلام کی معتبر تاریخوں میں ایسے شخص کا ذکر کیوں نہیں؟ اگر اب کیسی جگہ ہے تو تو میڈیا میں اسکا ذکر کیوں نہیں؟ حالانکہ آج اگر کوئی چندسو سال کا بھی شخص موجود ہوتا تو اس وقت دنیا کی حیرت و دلچسپی کا مرکز ہوتا؟ ہوسکتا ہے کوئی کہے وہ بھی امام مہدی کی طرح غایب ہے تو احادیث میں اسکی غیبت کا ذکر کیوں نہیں ہوا؟

شاید یہ انہی قصوں میں سے ہو کہ جو بنی امیہ نے جناب عمر کی جنگ احد میں بھاگنے کی خفت چھپانے کے لیے اور اسکی شجاعت برقرار رکھنے کے لیے گھڑے ہیں۔

البتہ دوسرے نظریے کی بہت سے احادیث بھی تائید کرتیں ہیں چنانچہ پیغمبر اکرم (ص) کا ارشاد ہے "لاتقوم الساعۃ حتّٰی یبعث کذّابون دجالون قریب من ثلاثین کلھم یذعم انہ رسول اللّہ" یعنی، قیامت اس وقت تک برپا نہ ہوگی جب تک تیس (۳۰) جھوٹے دجال جو کہ خود کو پیغمبر سمجھتے ہیں ظاہر نہیں ہوں گے۔(۸)

آپؐ ہی کا ارشاد ہے کہ اس وقت تک قیامت برپا نہ ہو گی جب تک تیس (۳۰) جھوٹے دجال ظاہر نہ ہو جائیں اور وہ خدا اور اس کے رسول پر جھوٹ باندھیں گے۔(۹)

مختصر یہ کہ اصل قضیہ کا صحیح ہونا بعید نہیں ہے، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امام مہدی (عج) کے ظہور کے وقت آخری زمانے میں ایک شخص کا خروج ہو گا جو فریب کار اور حیلہ گری میں سب سے آگے ہوگا اور جھوٹ بولنے میں پہلے والے دجالوں سے بازی لے جائے گا، اپنے جھوٹے دعووں سے ایک گروہ کو گمراہ کرے گا، کیونکہ کھانا پینا اس کے ساتھ ہوگا (جدید ٹیکنالوجی کے ذریعے)، اس لئے لوگ اس کی حقیقت سے غافل رہیں گے

اور برفرض " صاید بن صید" کو حضور نے اگر دجال کہا بھی ہے تو وہ دورغ گو کے معنی میں ہوسکتا ہے نہ وہ دجال جو علائم ظہور میں ایک ہے۔

حواشی:

(۱) صحیح بخاری، کتاب المعازی باب حجۃ الوداع، ج ۲، ص ۷ ۳۴

(۲) الملاحم، ابن مناوی، باب الدجال، بیان الماثور فی قصّۃ ووکاید سحرہ؛ ص ۲۰۷

(۳) عقد الدرر، باب اول، انہ من ذرّیۃ رسول اللہ وعترتہ، ص ۹۳

(۴) عقد الدرر، باب التاسع، فی شرفہ [امام مہدی] وعظیم منزلتہ، ص ۹۰۲

(۵) صحیح مسلم، کتاب الفتن واشراط الساعۃ، باب بقیۃ من احادیث الدجال، ج ۴، ص ۲۲۴۲

(۶) عقد الدرر، باب التاسع، فی فتوحاتہ وسرتہ فصل فی ماذکر من الملاحم والفتن، ص ۲۳۷

(۷) عقد الدرر، باب ۹، فی فتوحاتہ وسرتہ، ص ۲۷۰، ایضاً سنن ترمذی، ابواب الفتن، باب ماجاء فی علامات خروج الدجال، ج ۱، ص ۹۰۸

(۸) سنن ترمذی ابواب الفتن، باب ماجاء لاتقوم الساعۃ حتی یخرج کذّابون، ج ۱، ص ۸۹۷

(۹) سنن ابی داوود، کتاب الملاجم، باب فی خبر ابن صاید، ص ۱۲۱